فاطمہؓ بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

★

رئیس احمد جعفری

★

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

جملہ حقوق محفوظ

طابع ——— شیخ نیاز احمد
مطبع ——— علمی پرنٹنگ پریس۔ لاہور
قیمت ———

مقامِ اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز
۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۲/۵۴۰۰۰

دُخترِ خیرالانام

شبلیؔ

افلاس سے تھا سیدہ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکّی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اَٹ جاتا تھا لباسِ مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا
آخر گئیں جناب رسولؐ خدا کے پاس
یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذنِ عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کہہ سکیں نہ عرض
واپس گئیں کہ پاسِ حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے
کل کس لئے تم آئیں تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں
حیدرؓ نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا

ارشاد یہ ہوا کہ غریبانِ بے وطن !
جن کا کہ صحفۂ نبویؐ میں قیام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گذرتی تھیں
میں ان کا ذمّہ دار ہوں میدا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے ان کا حق
جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
خاموش ہو کے سیّدہ پاک رہ گئیں
جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا
یوں کی ہے اہلِ بیت مطہر نے زندگی
یہ ماجرائے دختر خیر الانامؐ تھا

ابتدائیہ

موجودہ کتاب کے متعلق کوئی رائے ظاہر کرنا یہاں مقصود نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہی ہے۔ مولف کتاب "جعفری صاحب" نے تاریخی حوالے بھی ہر جگہ دے دیئے ہیں اور تقریباً آدھی کتاب تو عربی کتاب کا ترجمہ ہے۔

مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے۔ کہ کتاب پڑھنے کے بعد یہ سوچئے کہ ہم نے جو کچھ پڑھا۔ وہ ہمارے تصوّرات اور تخیلات کا ترجمان ہونا ضروری و لازمی ہے۔ اعتراضات کی تخلیق اور نشو و نما بہت آسان ہے۔ مگر تاریخ اور دنیا والوں کے ان تصوّرات کی چھان بین کرنا، ایک مشکل اور اہم ترین امر ہے۔ اس کے لیے عُمر نوحؑ کی ضرورت ہے۔ اور اس کے بعد بھی اس کی تاریخ "کارے دارد" کا مصداق ہوتا ہے۔ ایک مورخ تاریخ کا رُخ پلٹ سکتا ہے۔ ایک ادیب اپنی کاوشوں اور تلاش و جستجو میں عرش کے تارے توڑ سکتا ہے۔ ایک ناقد بعض اوقات اپنے موضوع پر وہ نکات و رموز پیش کرتا ہے، جو صاحبِ فن کے ذہن میں اس کی حقیقی تخلیق اور نشو و نما کے وقت تھے بھی نہیں۔ اس سمجھ بوجھ اور ادراک کا معیار، ناقد، ادیب اور مؤرخ کے تصوّرات کی بنادوں پر استوار ہوتا ہے۔ وہ جتنے اقتدار کا حامل ہے۔ ویسی ہی باتیں کہتا اور لکھتا ہے۔ وہ اپنے جذبات اور تخیلات کی ترجمانی بھی اس میں کرتا ہے۔ لیکن اصل موجد فن اپنے ہی تصوّرات کا مالک تھا۔ ان دونوں کے ادراک، اذہان اور نظریۂ فکر میں امتیازی اقدار ضرور ہوتی ہیں۔

کتاب کے پڑھنے کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ انسان اپنے تصوّرات کے ماتحت، اس میں سب کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ کہ مؤرخ، ادیب یا ناقد نے وہ اصل نکتہ کیوں

نہ بیان کر دیا۔ جو میرے ذہن میں جاگزیں تھا۔

ہر مؤرخ تاریخ کا رُخ اپنے تصوّرات کے دھارے پر موڑتا ہے۔ ہر ادیب اپنے معاشرے اور تخیلات کے مطابق عصری ادب کی باگوں کو موڑنا چاہتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کا تصور کچھ جماعتوں یا افراد کے تصورات کا حامل بن جاتا ہے۔ یا وہ تصورات بذاتِ خود کچھ افراد کے اذہان کا عکاس ہوتے ہیں۔

کتاب کے مطالعے کے بعد اس کے حسن و قبیح پر تنقید کرنا اور بات ہوتی ہے۔ لیکن عقائد کو دلائل اور تاریخ معنی کرنا، مطالعہ کرنے والوں کے فرائض سے بالکل الگ تھلگ چیز ہے۔

کتاب پڑھیے اور اس میں جو بات اچھی لگتی ہے اسے حاصل کیجیے! اور مؤرخ کے تصورات اور اس کے تخیلات میں جہاں تصادم ہو، اس کے لیے دوہری جستجو باقی رکھیے! مستشرقین کے تصورات پڑھنا اور ان کی بات کا جواب نہ دینا بھی کم مائیگی کی دلیل ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر مؤرخ، ادیب اور مرتب و مؤلف آپ کے جذبات کے ماتحت کام کرے موجودہ کتاب متعدد تاریخوں کا اقتباس ہے۔ مختلف کتب احادیث کا انتخاب ہے اور گویا کہ مختلف اور مختلف الطبائع اور مختلف الخیال مؤرخین کے تصورات کا مجموعہ ہے۔ جو مطالعے کے وقت مُفید ہی ثابت ہو سکتا ہے۔ اور اس سے آپ بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

نائب حسین نقوی امروہوی
۲۵ فروری ۱۹۶۳ء
لاہور

قَالَ رَسُولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

"اِنَّ اللّٰہَ یَغْضَبُ لِغَضَبِکَ وَیَرْضٰی لِرِضَاکَ"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:۔

"جس سے تو خفا ہوگی، خدا بھی اس سے ناراض ہوگا۔ جس سے تو خوش ہوگی، خدا بھی اس سے راضی رہے گا۔"

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

"فَاطِمَۃُ مِنِّی یُؤْذِیْنِی مَا اٰذَاھَا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضؓ کے بارے میں فرمایا:۔

"فاطمہ مجھ سے ہے جس نے اُسے اذیت دی اس نے مجھے دُکھ پہنچایا"

قَالت عائشۃ ام المؤمنین

مَارأیت افضل من فاطمۃ رض الا ابیہا

امّ المومنین حضرت عائشہ رض جناب فاطمہ رض کے بارے میں ارشاد فرماتی ہیں — "میں نے کسی کو فاطمہ رض سے افضل نہیں پایا۔ سوا ان کے والد ص کے"

فہرست

نمبر شمار	مضمون	
	پیش لفظ	۱۷
	۱	
	خدیجہؓ عالمِ خیال میں	۱۹
۱	یادِ ماضی	
۲	ایک سوگوار کنبہ	
۳	وہ ننھا سا بچہ	
	۲	
	خدیجہؓ اسلام سے پہلے	۲۴
۴	دارالندوہ	
۵	دس معزز گھرانے	
۶	حلف الفضول	
۷	مکّہ کی تجارتی حیثیت	
۸	عورت عرب کی نظر میں	
۹	کسریٰ اور نعمان	
۱۰	نعمان کا انجام	
۱۱	اسلام نے عورت کو کیا دیا؟	
۱۲	حضرت بلقیس	
۱۳	مکّہ زبا یا زینب	
	۳	
	خدیجہ بنتِ خویلد اور ان کا کاروبار	۳۰
۱۴	خدیجہؓ کی صفات	
۱۵	تنہائی کی زندگی	
۱۶	عکاظ کا میلہ	
۱۷	مکّہ کی تجارتی اہمیت	
۱۸	خدیجہؓ کا کاروبار	
۱۹	محمدؐ	
۲۰	میسرہ کے مشاہدات	
۲۱	خدیجہؓ کے تاثرات	

نمبر شمار مضمون

۴

محمدؐ کی شادی خدیجہؓ سے ۳۷

۲۲ محمدؐ کے اخلاق و صفات

۲۳ خدیجہؓ کی محبت

۲۴ پیامِ نکاح

۲۵ محفلِ عقد

۲۶ ایجاب و قبول

۲۷ زندگی کا نیا دَور

۲۸ ام ایمنؓ

۲۹ ام ایمنؓ کے لئے آپؐ کی تگ و دو

۳۰ ام ایمنؓ کی جاں سپاری

۳۱ ام ایمنؓ کی ہجرت

۳۲ ام ایمنؓ کا ایمان اور عزیمت

۳۳ علیؓ خدیجہؓ کے گھر میں

۳۴ ثوبیہ

۳۵ حلیمہؓ سعدیہ

۳۶ محمدؐ اور خدیجہؓ

۳۷ آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہ کی خانگی زندگی

۳۸ نزولِ وحی

نمبر شمار مضمون

۳۹ ورقہ بن نوفل کے پاس

۴۰ خدیجہؓ کا ایمان

۴۱ خدا کا سلام خدیجہؓ کو

۵

اولادِ محمدؐ ۵۱

۴۲ فرنچ مستشرق لامنس کے افکار

۴۳ لامنس کی دریدہ دہنی

۴۴ آپ کی اولاد امجاد

۴۵ لامنس کا دروغ بے فروغ

۴۶ لامنس کا ایک اور افترا

۶

حضرت زینبؓ ۵۷

۴۷ لامنس کے غلط نتائج

۴۸ ابوالعاصؓ کی گرفتاری اور رہائی

۴۹ ابوالعاصؓ سے رہائی کی شرط

۵۰ ابوالعاصؓ مدینہ میں

۵۱ ابوالعاصؓ کا قبولِ اسلام

۵۲ ابوالعاصؓ اور زینبؓ کی اولاد

نمبر شمار	مضمون	
۵۳	امامہ سے آپؐ کی محبت	
۵۴	غلط فہمی یا غلط بیانی	

۷

فاطمہؓ بنتِ محمدؐ ۶۳

۵۵	مہمل اور لایعنی اعتراض	
۵۶	فاطمہ چھوٹی بیٹی تھیں یا بڑی؟	
۵۷	ایک تاریخی حقیقت	
۵۸	لامنس کا محاکمہ	
۵۹	قولِ فیصل	

۸

فاطمۃ الزہراؓ شادی سے پہلے ۶۹

۶۰	حضرت خدیجہؓ کا یقین	
۶۱	آنحضرتؐ کے دل میں خدیجہؓ کی منزلت	
۶۲	ایک اہم سوال اور اس کا جواب	
۶۳	لامنس کی رنگ آمیزی	
۶۴	فاطمہؓ کو اہمیت بعد میں حاصل ہوئی	
۶۵	اغانی میں فاطمہؓ کا ذکر	
۶۶	اصحاب سیر کے طرزِ عمل کی توجیہہ	

نمبر شمار	مضمون	
۶۷	عائشہؓ اور فاطمہؓ	

۹

آنحضرتؐ اور حضرت فاطمہؓ ۷۶

۶۸	فاطمہؓ کے بارے میں آپ کے ارشادات	
۶۹	جس سے فاطمہؓ خوش اس سے خدا خوش	
۷۰	فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے	
۷۱	فاطمہؓ کے نام سے محبت	
۷۲	فاطمہؓ کے بارے میں عائشہؓ کا قول	
۷۳	فاطمہ بنتِ اسد	
۷۴	خدیجہؓ کے بعد فاطمہ کا غم والم	
۷۵	باپؐ اور بیٹیؓ	
۷۶	فاطمہؓ اور رقیہؓ اور زینبؓ	
۷۷	فاطمہؓ اور عائشہؓ	
۷۸	سید امیر علی کی رائے	

۱۰

فاطمہؓ کی منگنی ۸۳

نمبر شمار مضمون

۷۹ اصل واقعہ کیا ہے ؟
۸۰ خدیجہؓ کی دولت فاطمہؓ کو کیوں نہ ملی ؟
۸۱ پیام نکاح ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرف سے
۸۲ حضرت علیؓ کا پیام
۸۳ آنحضرتؐ کا جواب
۸۴ آنحضرتؐ اور حضرت علیؓ
۸۵ حضرت علیؓ اور آنحضرتؐ
۸۶ حضرت علیؓ پر لامنس کا اعتراض

۱۱

حضرت فاطمہؓ کی شادی ۹۱

۸۷ حضرت علیؓ کی مالی حالت
۸۸ حضرت فاطمہؓ سے استمزاج
۸۹ کیا فاطمہؓ علیؓ سے شادی پر رضامند نہ تھیں ؟
۹۰ بلاذری کی روایت غلط ہے
۹۱ فاطمہؓ فضائل علیؓ سے واقف تھیں
۹۲ باطل اور فاسد روایت

۱۲

نمبر شمار مضمون

حضرت علیؓ کا نکاح ۹۵

۹۳ حضرت علیؓ کی تعمیل ارشاد
۹۴ آنحضرتؐ کا خطبہ نکاح
۹۵ آنحضرتؐ کی دعا
۹۶ لامنس کی نشتر زنی
۹۷ مندزبن جارود کا بیان
۹۸ ابن عائشہؓ کا قول

۱۳

فاطمہؓ کا گھر

۹۹ لامنس کے ایرادات
۱۰۰ لامنس کے خرافات
۱۰۱ بے بات کی بات
۱۰۲ فاطمہؓ بنت محمدؐ کا گھر
۱۰۳ عورتوں سے آنحضرتؐ کا سلوک
۱۰۴ علیؓ کی خلق و اخلاق میں پیروی رسولؐ
۱۰۵ حسن علیہ السلام کی ولادت پر آپؐ کا ارشاد

نمبر شمار — مضمون

۱۰۶ میدانِ جنگ میں فاطمہ رض کا حصّہ
۱۰۷ لامنس کا انکار
۱۰۸ حضرت فاطمہ رض کی پرالم زندگی

۱۴

فاطمہ رض کی اولاد ۱۰۹

۱۰۹ ولادت حسنین علیہ السلام
۱۱۰ حسنین ؓ کے نام آنحضرت ؐ نے رکھّے تھے
۱۱۱ حسنین ؓ سے آپ کو بے حد محبت تھی
۱۱۲ "یا اللہ تو بھی ان دونوں کو محبوب رکھ"!
۱۱۳ دوشِ رسول ؐ کے سوار
۱۱۴ حسنین ؓ کی فضیلت
۱۱۵ حسین ؓ مجھ سے ہے میں حسین ؓ سے ہوں
۱۱۶ لامنس کا جھوٹ
۱۱۷ حسنین ؓ کو آپ ؐ اپنی اولاد سمجھتے تھے
۱۱۸ صحابہ رض کی محبت حضرت حسنین ؓ سے

نمبر شمار — مضمون

۱۱۹ آپ ؐ زیادہ کسے چاہتے ہیں؟ مجھے یا فاطمہ رض کو؟
۱۲۰ علی رض اور فاطمہ رض کی گھریلو زندگی
۱۲۱ ابوسفیان فاطمہ رض کے دروازے پر

۱۵

حادثۂ عظیم ۱۲۲

۱۲۲ حضرت فاطمہ رض کی تیمار داری
۱۲۳ مرض کا اشتداد
۱۲۴ حضرت عائشہ رض کا حضرت فاطمہ رض سے سوال
۱۲۵ ہمیشہ کے لئے جدائی کا رقت
۱۲۶ غم و الم
۱۲۷ فاطمہ رض تربتِ رسول ؐ پر
۱۲۸ دُکھ درد کی کہانی
۱۲۹ مرثیہ کے اشعار
۱۳۰ انس رض بارگاہِ فاطمہ رض میں

۱۶

حضرت فاطمہ رض اور اہلبیت کا ذکر بخاری و مسلم میں ۱۲۹

نمبر شمار	مضمون
۱۳۱	ابو تراب رضؓ آنحضرتؐ کا عطا کردہ خطاب تھا
۱۳۲	علی اور فاطمہ رضؓ کو رسول اللہؐ کی تلقین
۱۳۳	حضرت فاطمہ رضؓ کے بارے میں حضرت عائشہ کی روایت
۱۳۴	فاطمہ رضؓ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے
۱۳۵	حضرت فاطمہ رضؓ سے آپؐ کا تعلق خاطر
۱۳۶	فاطمہ بنتِ محمدؐ کی مثال
۱۳۷	حسنؓ سے آپ کی محبت
۱۳۸	حضرت حسین رضؓ آپؐ سے بہت مشابہ تھے
۱۳۹	حضرت حسنؓ کے بارے میں آپؐ کا ارشاد
۱۴۰	حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت حسن رضؓ
۱۴۱	ابنِ عمر اور حضرت حسین رضؓ
۱۴۲	اہلِ بیت کے لئے آپؐ کی وصیت
۱۴۳	ازواجِ مطہرات داخل اہلبیت نہیں
۱۴۴	آنحضرتؐ کی حضرت علیؓ سے محبت
۱۴۵	حضرت حسن رضؓ سے آپ کی محبت
۱۴۶	حضرت حسن سے آپ کو بہت محبت تھی
۱۴۷	دوشِ رسولؐ کا سوار
۱۴۸	حسن اور حسین سے آپ کا لگاؤ
۱۴۹	اہلِ بیت کے بچوں سے آپ کی محبت
۱۵۰	حضرت خدیجہ رضؓ سے آپؐ کا تعلق خاطر
۱۵۱	حضرت فاطمہ رضؓ سے آپؐ کی محبت
۱۵۲	حضرت فاطمہ رضؓ کے بارے میں آپؐ کا اضطراب
۱۵۳	وقت آخر فاطمہ رضؓ سے آپؐ کا راز و نیاز

۱۷

فاطمہ رضؓ اور ابوبکر و عمر رضؓ ۱۴۲

۱۵۴	وحدتِ ملّی
۱۵۵	علی رضؓ اور ابوبکر رضؓ کی گفتگو
۱۵۶	ابو عبیدہ رضؓ بن جراح کا خطاب علی رضؓ سے

نمبر شمار	مضمون
۱۵۷	حضرت علیؓ کا جواب
۱۵۸	حضرت عمرؓ کا رویہ سخت کیوں تھا؟
۱۵۹	ابوبکرؓ و عمرؓ بیت فاطمہؓ میں
۱۶۰	ابوبکرؓ کی فاطمہؓ سے گفتگو
۱۶۱	حضرت فاطمہؓ کا جواب
۱۶۲	ابوبکرؓ خلافت سے دستبرداری پر آمادہ ہو گئے

۱۸

آنحضرتؐ کی اولاد کی تفصیل ۱۶۳

۱۶۳	قاسمؓ
۱۶۴	ابراہیمؓ
۱۶۵	اولادِ نبیؐ کی تفصیل
۱۶۶	فاطمہؓ سے خدیجہ کی غیر معمولی محبت
۱۶۷	آپ کی کنیت ابوالقاسمؓ تھی
۱۶۸	حضرت رقیہؓ
۱۶۹	حضرت ام کلثومؓ
۱۷۰	حضرت فاطمہؓ کی صاحبزادیاں
۱۷۱	ابراہیمؓ کے خصائص
۱۷۲	سورج گرہن

۱۹

زندگی کے آخری چھ مہینے

۱۷۳	گزرا ہوا زمانہ
۱۷۴	فاطمہؓ کی زندگی پر ایک نظر
۱۷۵	وفاتِ رسولؐ کے بعد
۱۷۶	حضرت فاطمہؓ کی وفات
۱۷۷	حضرت علیؓ کا مرثیہ
۱۷۸	ہالہ بنتِ زینبؓ سے معاویہؓ کا پیام نکاح

۲۰

حضرت علیؓ اور اہلبیت

۱۷۹	جدائی فاطمہؓ زہرا
۱۸۰	ذریتِ رسولؐ کی حفاظت
۱۸۱	تعزیت بخدمت پیغمبرؐ
۱۸۲	فراقِ رسولؐ
۱۸۳	آلِ محمدؐ

نمبر شمار — مضمون

۲۱
مستشرقین کے اسالیب تنقید ۱۶۷

۱۸۴ اباطیل و مجاہیل
۱۸۵ لامنس کے ایرادات
۱۸۶ مستشرقین کی عام روش
۱۸۷ مستشرقین کی کج رائیاں اور اسلامی تاریخ
۱۸۸ مستشرقین
۱۸۹ چند نمونے
۱۹۰ مستشرقین کا باہمی اختلاف
۱۹۱ لامنس کی یکتائی
۱۹۲ لامنس کی زنجوری کا سبب

نمبر — مضمون

۱۹۳ حقیقت کی تکذیب
۱۹۴ تحقیق سے دشمنی
۱۹۵ اسلوبِ فرید اور طرزِ غریب
۱۹۶ لامنس کا جھوٹ
۱۹۷ لامنس کی وسعتِ نظر
۱۹۸ تدلیس و تلبیس
۱۹۹ پھر جھوٹ

۲۲
سیدۃ النساءؓ ۱۸۱

۲۰۰ فاطمۃ الزہراؓ
۲۰۱ خطاب بہ مخدراتِ اسلام

۲۳
اس کتاب کے ماخذ و مصادر ۱۸۶

پیش لفظ

فاطمہؓ بنتِ محمدؐ ——— تاریخِ اسلام کا ایک نہایت اہم اور ناقابلِ فراموش موضوع ہے۔ لیکن اس موضوع سے متعلق تاریخ و سیر کی کتابوں میں مواد بہت کم ملتا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ نہ ملنے کے برابر ملتا ہے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔

کتنی عجیب بات ہے، یورپ کی زبانوں میں خاص طور پر فرنچ میں اس موضوع پر معلومات کا ایک ذخیرہ موجود ہے (اس سے بحث نہیں کہ وہ موافقانہ ہے یا مخالفانہ) اور سوال یہ ہے کہ مستشرقین سے ہم عناد کے سوا کسی طرح کی موافقت کی توقع ہی کیوں رکھیں؟ لیکن عربی زبان میں معلومات کی تشنگی افسوس ناک حد تک محسوس ہوتی ہے۔ فارسی زبان کا بھی یہی حال ہے۔ فارسی زبان میں شاید ایک بھی مستند کتاب اس موضوع پر نہیں ملے گی۔ اردو زبان میں اسلامیات اور اکابر و مشاہیرِ اسلام سے متعلق اتنا زیادہ سرمایہ ہے کہ عربی میں بھی نہیں لیکن اس تشنگی کا اردو میں بھی یہی حال ہے۔ کوئی معیاری اور مستند کتاب موجود نہیں۔

مصر کے مشہور فاضل عمر ابو النصر نے اس کمی اور ضرورت کو محسوس کیا اور فاطمہؓ بنتِ محمدؐ کے نام سے ایک کتاب مرتب کی۔ کوئی شبہ نہیں یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہے جو معلومات اس میں پیش کی گئی ہیں وہ بھی بسا غنیمت ہیں اور ان کا پایۂ استناد شک و شبہ سے بالا ہے۔ سب سے بڑی خصوصیت اس کتاب کی یہ ہے۔ کہ مستشرقین کے کذب دروغ اور تحقیق کے نام پر ان کے اخراجات اور اباطیل کی پردہ کشائی بھی کی ہے۔ اور بڑی قابلیت سے ان کے دروغ بے فروغ کو بے نقاب کیا ہے

لیکن متعدد مواقع پر معلومات کی تشنگی یہاں بھی محسوس ہوتی ہے۔

زیر نظر کتاب میں "فاطمہؑ بنتِ محمدؐ" کا ترجمہ میں نے کر دیا ہے۔ ترجمے کے دوران میں جہاں کمی یا تشنگی واقعات سے متعلق محسوس کی ہے، وہاں ضروری تاریخی واقعات سند و حوالہ کے ساتھ بڑھا دیئے ہیں۔ ترجمہ میں جو اضافہ میں نے کیا وہ قوسین (بریکٹ) کے اندر ہے تاکہ صاحب کتاب اور مترجم کی عبارت میں التباس نہ پیدا ہونے پائے۔

ترجمے کے علاوہ بھی، میں نے کئی چیزیں بڑھا دی ہیں، وہ بھی قوسین کے اندر ہیں مثلاً حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنین علیہم السلام سے متعلق "صحیح بخاری اور صحیح مسلم" میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں، ان سب کو میں نے چن چن کر ایک باب میں جمع کر دیا ہے اسی طرح البدایہ والنہایہ اور نہج البلاغۃ کے بعض ابواب کا ترجمہ جو گراں قدر معلومات کے حامل ہیں، میں نے ان کو شامل کتاب کر دیا ہے۔ اسطرح یہ کتاب صرف عمر ابو النّصر کی کتاب کا ترجمہ ہی نہیں رہ گئی ہے بلکہ ایک جامع تالیف بن گئی ہے۔

خدا کرے میری یہ کوشش شرف قبول حاصل کرے۔

رئیس احمد جعفری
۸۹ ٹیگور پارک لاہور

۱

خدیجہؓ عالمِ خیال میں

بادِ سموم کے جھکڑ چل رہے تھے۔ آفتاب کی تمازت سے چیل انڈا چھوڑ رہی تھی اس حالت میں مکّہ کی ایک دولتمند اور صاحبِ ثروت خاتون اپنے بالاخانے پر کھڑی اس شاہراہ کی طرف تک رہی تھی، جو مکّہ شام کی سرحد اتصال ہے۔ یہ شاہراہ بہت وسیع اور عریض تھی۔ حدِ نظر تک اس کا دامن پھیلا ہوا تھا ——— اس خاتون کا نام خدیجہؓ بنتِ خویلد تھا۔ یہ بات خدیجہؓ کے معمولات میں داخل تھی کہ ہر روز وہ اپنے بالاخانے کے دروازے پر کھڑی ہوکر ان تجارتی کاروانوں کا انتظار کیا کرتی تھیں، جو کاروبار کے سلسلہ میں مکّہ سے باہر جاتے تھے۔ بات یہ تھی کہ خدیجہؓ خود ایک چھوٹے سے قافلہ کے انتظار میں چشم براہ تھیں۔ اس قافلہ میں ایک تو ان کا غلام میسّرہ تھا اور دوسرا قریش کا جوان صالح جو اگرچہ غربت اور فلاکت کی زندگی بسر کر رہا تھا، لیکن اہلِ نسب، اور دالا دو و مان تھا۔ اس کی ولادت سے ۲ ماہ پہلے اس کے والد عبداللہ نے اس جہانِ فانی سے عالم باقی کا سفر اختیار کیا اور عین طفلی کے عالم میں، جبکہ عمر ۶ سال کی تھی، ماں آمنہ نے نے بھی سفرِ آخرت اختیار کیا۔ پھر اس یتیم و یسیر بچے کی پرداخت و پرورش، دادا، عبدالمطلب نے شروع کی۔ لیکن نو سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے جان بار دادا بھی اس دنیا سے منہ موڑ گیا۔ اب جس شخص نے پرورش اور پرداخت کا بار گراں دوش ناتواں پر اٹھایا، وہ ابو طالب تھے، بے انتہا محبت کرنے والے چچا لیکن خود ابو طالب بھی تنگی و ترشی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ آمدنی کم، مصارف زیادہ، متعلقین کی بہتات سوکھی روٹی کھانے کے لئے بھی سخت دشواریوں اور جاں کاہیوں سے کام لینا پڑتا تھا۔ لیکن

خدا کی قُدرت دیکھئے جب سے انہوں نے اپنے بھتیجے کی سربراہی قبول کی تھی یک بیک حالت نے پلٹا کھایا، برکت اور کشائش نمودار ہوئی۔ حالات سنبھلنے لگے اور تنگدستی و فلاکت کا دَور یتیم و یسیر بھتیجے کی برکت سے قریب قریب ختم ہو گیا۔

خدیجہؓ کی چشمِ تصور گُذرے واقعات کا نظارہ کر رہی تھی! انہیں یاد آیا کہ ایک مرتبہ ابرہہ اپنا لشکر لے کر کعبہ پر چڑھ آیا تھا کہ خدا کے اس گھر کو نیست نابود کر دے گا۔ لیکن اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت کی، اُس نے ابابیلوں کا لشکر بھیج کر ابرہہ کی فوج غارت کر دی۔ مکّہ کے رہنے والے بے مایا اور بے سر و سامان تھے۔ وہ بھلا ابرہہ کی مدافعت کیا کرتے، چُپ چاپ پہاڑوں کے غاروں میں گوشہ نشین ہو گئے۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ ابرہہ کا لشکر نیست و نابود ہو گیا تو وہ سُرور و نشاط کی کیفیت سے معمور و مخمور واپس آئے۔ ان میں بڑے بھی تھے اور چھوٹے بھی اور جوان بھی اور ان کے آتے ہی مکّہ کی گلیوں میں شورِ مسرّت بلند ہونے لگا، اور بات بھی خوشی کی تھی، دشمن ناکام ہوا۔ اس کا لشکر پامال ہوا، خطرہ ٹل گیا۔

لیکن اس گروہ میں ایک مردِ بزرگ ایسا بھی تھا جو اگرچہ اپنی قوم کے سُرور و نشاط میں برابر کا شریک تھا۔ پھر بھی اس کے دل کی کلی مُرجھائی ہوئی تھی، ایک غم تھا جس نے اس کے دل و جگر پر چھاپہ مارا تھا۔ لب تبسّم سے آشنا تھے۔ مگر دل وقف گریہ، اور اس مردِ بزرگ کے ساتھ "ایک پیکرِ الم" خاتون بھی تھی۔ اس کا چہرہ بھی اترا ہوا تھا اور دل نڈھال تھا، اور سراپا سوگوار۔ یہ مردِ بزرگ سردارِ قریش عبدالمطلب تھا۔ اور یہ خاتون عبدالمطلب کی بہو آمنہ بنتِ وہب تھیں۔

عبدالمطلب کو اپنے جوان بیٹے عبداللہ کا غم کھائے جا رہا تھا۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ خدائے بزرگ و برتر نے اگر مجھے دس بیٹے عطا کئے اور وہ سب شباب و جوانی کی منزل، صحت و سلامتی کے ساتھ طے کر گئے تو ایک بیٹا خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے

عبدالمطلب دس بیٹوں کے باپ بن چکے تھے۔ ہر بیٹا صحیح وسالم وتندرست تھا۔ اور وہ اپنی نذر پُوری کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے، قرعہ اندازی کی گئی، قسمت دیکھئے جس کے نام قرعہ نکلا وہ سب سے چھوٹا بیٹا عبداللہ تھا۔ بوڑھے باپ کا چہیتا اور دُلارا، بہرحال عبدالمطلب نذر پوری کرنے کے لئے عبداللہ کو اپنے ساتھ خانہ کعبہ میں لے گئے لیکن اللہ رکھے جسے اُسے کون چکھے۔ قریش کے بعض اکابر کے دل میں یہ بات آئی کیوں نہ بجائے عبداللہ کے اونٹ کی قربانی کر دی جائے۔ بات عبدالمطلب کی سمجھ میں آگئی، انہوں نے محسوس کر لیا کہ خدا کی مرضی بھی یہی ہے۔ چنانچہ عبداللہ کے بدلے سو (۱۰۰) اونٹ قربان کر دیئے گئے۔

عبدالمطلب کے ذہن میں مسلسل ایک سوال پیدا ہو رہا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے نوجوان محبوب بیٹے عبداللہ کو موت کے پنجہ سے بچالیا، عبداللہ کے بدلہ اونٹوں کی قربانی کر دی گئی ——— ہاں بے شک خدا نے اسے بچالیا، لیکن کیا موت سے یہ رستگاری اس لیے ہوئی تھی کہ تھوڑی سی مدت کے بعد موت کا فرشتہ آئے اور اس کی رُوح قبض کر لے؟ کتنی عجیب بات تھی جو بیٹا موت کے پنجہ سے بچ نکلا۔ اس کی شادی ہوئی، زندگی کا نیا دَور شروع ہوا۔ مگر زندگی کی بہار ابھی اچھی طرح وہ لوٹنے بھی نہ پایا تھا کہ اپنی نئی نویلی دُلہن سے رُخصت ہو کر اپنے ننھیال یثرب گیا۔ وہ اس طرح رخصت ہوا تھا۔ جیسے شوہر بیویوں سے پھر آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوتے ہیں۔ لیکن عبداللہ کی قسمت میں واپسی نہ تھی، اپنے اخوال بنو نجار کے ہاں وہ بیمار پڑا اور چٹ پٹ ہو گیا، اور اب اسکی دُلہن نے محسوس کیا۔ کہ قُدرت نے ایک امانت اُسے سونپی ہے۔ پھر وقت آیا کہ یہ امانت اس نے ادا کر دی، اسے کتنی تمنا تھی کہ یہ جس کی ہے اسے لوٹائے، لیکن قسمت ...... کسے معلوم تھا کہ یہ امانت، یہ عزیز وگراں مایہ امانت شوہر کے بجائے دوسروں کے حوالے کرنا پڑے گی۔

یادِ ماضی

خدیجہؓ کی چشمِ تصوّر گزرے ہوئے واقعات واحوال کا نظارہ کر رہی تھی۔ انہیں وہ واقعات یاد آئے جو مکہ کی فضا پر چھا گئے تھے اور جن کی پہنائیاں

کوہ صحرا کی وسعت اور بلندی کو پار کر گئیں تھیں، پھر انہیں وہ نوخیز یتیمؐ یاد آیا جو ان کی متاع تجارت لے کر دُور دراز سفر پر روانہ ہوا تھا۔ پھر ساتھ ہی ساتھ اس یتیمؐ کی نیکیاں، اور خوبیاں، اچھائیاں اور بھلائیاں بھی، دماغ کے پردے پر اُبھرنے لگیں۔

ایک سُوگوار کُنبہ

خدیجہؓ عالمِ خیال میں سیر کر رہی تھیں ——— انہیں یاد آیا عبداللہ بن عبدالمطلب، ایک تنومند جوان رعنا تھے۔ حسن مردانہ کا وجیہہ و تکمیل پیکر، قریش کی عورتیں، عبداللہ کو لبھاتی تھیں ان کے گھر پر جانے کی کوشش کرتی تھیں، عورتیں محبت سے مجبور ہو کر اپنے حسن و جمال کی طرف انہیں متوجہ کرنے کی کوشش کرتی تھیں کہ شاید عبداللہ کی نگاہِ التفات انہیں نہال کر دے، لیکن عبداللہ نے کسی طرف رُخ تک نہ کیا۔ ان کی شادی آمنہ بنتِ وہب سے ہو گئی، میاں بیوی سُکھ اور محبّت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ پھر تجارت کے سلسلہ میں وہ شام کے سفر پر روانہ ہوئے اور جب لوگ ان کی واپسی کے لیے چشم براہ تھے۔ یکایک بیماری کی خبر پہنچی۔ مرض غالب آتا گیا تندرستی اور توانائی کا وہ پیکر نڈھال اور کمزور ہو گیا اور آخر ایک دن اس کی سناؤنی آ گئی۔ اس جاں کاہ خبر سے، عبدالمطلب کے سر پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا، وہ زندہ تھے لیکن مُردہ سے بدتر، جوان اور چہیتا بیٹا مر گیا بوڑھا اور لب گور باپ زندہ رہا۔

اور عبداللہ کی بیوی آمنہ کا کیا حال تھا ——— انہوں نے اس حادثۂ عظیم کا مقابلہ سکون و اطمینان کے ساتھ کیا، غم قیامت کا تھا لیکن سکون اور وقار کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پایا۔ غم کے اس اندھیرے میں اگر رُوشنی کی کوئی کرن تھی تو گذرے ہوئے ان دنوں کی یاد جو، جواں مرگ شوہر کے ساتھ مسرت و خوشی کے عالم میں گذرے تھے۔ لیکن وہ زمانہ بھی کتنا مختصر تھا، نذر کے دن سے کوچ کے دن تک کا وقفہ گویا چشمِ زدن میں گذر گیا۔ یا پھر اگر کچھ ڈھارس تھی، تو اس رُوح سے، جو بطنِ مادر سے بہت جلد اس دنیا میں آنے والی تھی۔ عبداللہ کے بعد اب زندگی کا کوئی مقصد تھا، تو صرف یہ کہ آسمان کی امانت زمین

کو سونپ دے اور یہ امانت محمد بن عبداللہ کی گرامی قدر ہستی تھی ۔

وہ ننھا سا بچّہ

اور خدیجہ رضؓ سوچ رہی تھیں ـــــــ اس ننھے سے بچہ کی پرورش دادا کے انتقال کے بعد ابوطالب نے اپنے ذمّے لی ۔ اور یہ بچّہ شہر دراہی سے کچھ غیر معمولی قسم کا تھا، نہ اسے کھیل کود سے دلچسپی تھی نہ مجلس طرازیوں سے کوئی سروکار تھا۔ لوگ پانی کی طرح شراب پیتے تھے لیکن اس نے کبھی اس طرف رُخ بھی نہیں کیا۔ مکّہ میں بہت سے بچّے تھے لیکن کون تھا، جو اخلاق کی بلندی و طبیعت کی رفعت اور عادات صالحہ میں اس کا مقابلہ کرسکتا؟ یہ عادتیں پختہ ہوتی گئیں، بڑھتی گئیں، یہاں تک کہ جب جوان ہوا تو اس کی جوانی دُودھ کی طرح بے داغ اور چاند کی طرح روشن اور تابناک تھی۔ گھر گھر میں اس کی امانت اور دیانت کا چرچا تھا۔ سارا شہر اس کے اخلاق کے گن گاتا۔ مکّہ کا ہر فرد اس کی شرافت اور بزرگی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا تھا۔

اس یتیمؐ و یسیر نوجوان کی خوبیوں اور نیکیوں کا چرچہ خدیجہ رضؓ کے کانوں تک بھی پہنچا اور ان کے دل میں خود یہ لگن پیدا ہوئی کہ وہ بھی اس نوجوان کو اپنا شریکِ تجارت کرکے اس کی امانت و دیانت سے بہرہ ور ہوں۔ آخر کار اپنے اس جذبے کے سامنے وہ سپر انداز ہوگئیں۔ انہوں نے اس نوجوان سے درخواست کی کہ ان کا مال تجارت لے کر کسی قافلہ کے ساتھ شام کا سفر کرے ۔ اس کارگزاری کا معاوضہ امید ہے، توقع سے زیادہ دیا جائے گا۔ نوجوان نے کوئی بحث نہ کی، کوئی سودا نہیں کیا، خاموشی کے ساتھ مال تجارت سنبھالا اور شام کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُسے گئے ہوئے بہت دن ہوچکے تھے۔ اب اسے واپس آجانا چاہیئے تھا ـــــــ خدیجہ رضؓ اس کے انتظار میں چشم براہ تھیں اور اپنے بالاخانے کے دروازے سے لگی، اس کے آنے کی راہ تک رہی تھیں ۔

۲

خدیجہؓ اسلام سے پہلے

خدیجہؓ بنت خویلد کی نشوونما مکّہ میں ہوئی۔ یہاں وہ قوم بستی تھی ''جو اپنے تئیں دنیا کی عظیم قوم سمجھتی تھی، جسے اپنی تلوار پہ ناز تھا۔ خنجر پر فخر تھا جسے اپنے تیر کے بے خطا ہونے کا یقین تھا جو ہر عزت اور وقار کا اپنے آپ کو اہل سمجھتی تھی۔

دارالندوہ

مکّہ کو وہ شہرت حاصل تھی، جس سے دوسرے شہر محروم تھے۔ یہاں کعبہ تھا، جہاں حج کے ارادے سے مختلف دیار اصحابہ کے عرب آیا کرتے تھے اور یہاں آکر یہاں کے احوال و آرا سے متاثر بھی ہوا کرتے تھے۔ یہاں کی سوسائٹی ایک قسم کی جمہوری نظام پر حائل تھی۔ امورِ عامہ کا تصفیہ یہاں ِمل بیٹھ کر ہوا کرتا تھا۔ یہاں ایک دارالندوہ یعنی مشورت کدہ قائم تھا، یہاں اہلِ مکّہ کے بڑے بڑے سردار مجتمع ہوا کرتے تھے؛ جو قریش کے احوال و شعون پر باہم غور و بحث اور اصلاح و مشورہ کیا کرتے تھے، کوئی بات اس وقت تک سرانجام نہیں پا سکتی تھی جب تک دارالندوہ کی توثیق و تائید شاملِ حال نہ ہو۔ شادی بیاہ کا معاملہ ہو یا صلح و جنگ کا معاہدہ، معاملات و مسائل کا تصفیہ، جو کچھ بھی ہوتا تھا یہیں طے پاتا تھا۔ لیکن مکّہ کی جمہوریت کچھ مخصوص قسم کی تھی۔ قیادت، کسی شخص واحد میں مرکوز نہیں تھی۔ تحقیقی طور پر کوئی شخص رئیس جمہوریہ کی حیثیت رکھتا تھا تجارت و ریاست دس قبیلوں کے دس گروہوں میں بٹی ہوئی تھی اور ان میں سے ہر ایک کے سپرد کچھ خاص قسم کی ذمّہ داریاں تھیں۔ یہ موروثی طور پر باپ کی طرف سے بیٹے کو تفویض ہوتی رہتی تھیں۔

اس طرح گویا ڈیموکریسی کے پہلو بہ پہلو ارسٹو کریسی بھی موجود تھی، لیکن ذرا ملائم قسم کی، اس میں وہ رعونت اور درشتی نہ تھی جو عام طور پر ارسٹو کریسی کی خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔

دس معزز گھرانے

وہ دس گھرانے جو شرفِ ریاست و تجارت پر فائز تھے۔ یہ تھے۔

۱	بنو ہاشم	۶	بنو تیم
۲	بنو اُمیّہ	۷	بنو مخزوم
۳	بنو نوفل	۸	بنو عدی
۴	بنو عبدالدار	۹	بنو صبح
۵	بنو اسد	۱۰	بنو سہم

جو مناسب انہیں حاصل تھے وہ سقایت، رفادہ، سدانت، مشورت وغیرہ پر مشتمل تھے۔ جن معاملات و مسائل میں اختلاف رائے ہو جاتا تھا، اس کا فیصلہ تحکیم اور ثالثی سے ہوتا تھا۔ جو قائل کے بڑے بوڑھوں کا جرگہ بیٹھ کر کرتا تھا۔ کیوں کہ کوئی پارلیمنٹری نظام تو موجود نہیں تھا، نہ کوئی ایسا دستور تحریری موجود تھا۔ لہٰذا جو بات قرینِ صواب نظر آتی تھی، وہی طے پا جاتی تھی۔

حلف الفضول

ایک بات کا اہتمام خاص طور پر ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ یہ کہ کمزور و ضعیف کا حق نہ مارا جائے، کسی پر ظلم نہ کیا جائے، عدل و انصاف سب کو ملے۔ دادرسی سے کوئی محروم نہ رہے۔ چنانچہ ایک خاص معاہدہ کے ذریعہ جو تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے، یہ طے پایا تھا کہ مکّہ کے کسی ساکن پر کسی طرح ظلم نہیں ہونے دیا جائے، خواہ وہ مکّہ کا رہنے والا ہو یا نہ ہو۔ اس موقع پر نوجوان محمدؐ ابن عبداللہ بھی موجود تھے۔ نبوّت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد بھی آپ اس کا ذکر اور تعریف فرمایا کرتے تھے۔

مکّہ کی دینی حالت بڑی فاسد تھی۔ بُت پرستی عام تھی اور اسے تقربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ خدا کا گھر یعنی کعبہ بُت کدہ بنا ہوا تھا۔ بے انتہا بُت وہاں موجود تھے۔ جن کے آگے

سر جھکایا جاتا تھا۔ جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ مکّہ کی آبادی پندرہ ہزار کے لگ بھگ تھی۔

مکّہ کی تجارتی حیثیت

تجارتی اعتبار سے مکّہ بہت فارغ البال اور مرفہ الحال تھا۔ اس کے تجارتی قافلے شام، عراق اور خلیج فارس تک پہنچتے تھے۔

غارت گری، جنگ و پیکار، قتال و جدال، بدلہ اور انتقام عربوں کی سرشت تھی، موت سے بے خوف، خوفِ مرگ سے ناآشنا، دلیر، نڈر، بہادر، جنگو ——— یہ تھے عرب بیٹی، بیوی اور بہن کے معاملہ میں خاص طور پر بڑے زود حس تھے:

عورت عرب کی نظر میں

ایک عرب اس اندیشہ سے کانپ جاتا تھا کہ اس کے بعد اس کی لڑکی یا بیوی کا کیا حشر ہوگا؟ کہیں وہ باندی تو نہیں بنالی جائے گی؟ کیا اسے مصیبت اور ذلت کی زندگی تو نہیں بسر کرنا پڑے گی؟ اگر زندگی سے اسے محبّت تھی، تو بیٹی اور بیوی کی خاطر، اگر وہ موت کا شائق تھا، تو بیوی اور بیٹی کے لئے۔

عورت مرد کے دوش بدوش اور پہلو بہ پہلو کارزارِ حیات میں موجود رہتی تھی، خوشی اور غم، امن اور جنگ، ہر حالت کی ساتھی، وہ مرد کے پندار کو زندہ رکھتی، اس کی غیرت کو جگاتی اسے انتقام پر آمادہ کرتی، جنگ کے میدان میں اسکے ثبات قدم کا سبب بنتی تھی، وہ اس کا غصّہ بھڑکاتی، وہ اس کی زندگی کی راحت اس کی شاعری کی محرک، اس کی نغمگی کی جان، اس کی رفعت و سربلندی کی رُوح تھی۔ وہ عورت کو اتنا چاہتا اور مانتا تھا کہ خدا تک کی اس نے بیٹیاں بنالی تھیں۔

کسریٰ اور نعمان

عرب اپنی بیٹی کی کتنی قدر و منزلت کرتے تھے، اور اس کے لیے کس طرح جان پر کھیل جاتے تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ بادشاہ فارس کسریٰ نے نعمان کی بیٹی کے لیے اپنا پیام دیا۔ یہ پیام

کسریٰ نے دنیا کے کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو دیا ہوتا، تو وہ فخر کے ساتھ اپنی بیٹی اسے بیاہ دیتا۔ لیکن نعمان جو سہراسہر کسریٰ ہی کا بنایا ہوا آدمی اور اس کے امراء میں سے ایک امیر تھا، اس پر رضامند نہ ہوا۔ کہ اس کی بیٹی، ایک عجمی سے بیاہی جائے، خواہ وہ کتنا ہی عظیم و جلیل شخص کیوں نہ ہو۔ اس نے کسریٰ کے پیامی سے صاف انکار کر دیا۔ اس انکار نے کسریٰ کی آتشِ غضب بھڑکا دی اور وہ غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔

نعمان کا انجام

نعمان جانتا تھا کہ اس انکار کا انجام کیا ہو گا؟ اور وہ اس انجام کے لیے تیار بھی تھا۔ اس نے اپنی بیٹی حرقہ کو اپنی تلواروں اور زرہوں کو ہانی بن قبیصہ شیبانی کے سپرد کیا اور خود اپنے انجام پر روانہ ہو گیا۔ وہ ہاتھیوں کے پاؤں تلے روند ڈالا گیا۔ اس کی ہڈیاں سرمہ ہو گئیں، جسم خاک و خون میں مل گیا، لیکن اپنی آن پر اس نے حرف نہ آنے دیا۔

پھر کسریٰ نے ہانی کے پاس پیام بھیجا، کہ نعمان کی بیٹی "حرقہ" اس کے حوالہ کر دے! لیکن جس طرح نعمان کے گھر سے کسریٰ کا قاصد ناکام پھرا تھا۔ اسی طرح ہانی نے بھی اُسے ناکام لوٹا دیا۔

اب کسریٰ نے طے کیا کہ وہ عربوں کو ایسا سبق دے گا۔ کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔ چنانچہ اس نے فوج گران بھیجی۔ جنگ شروع ہوئی عرب جان پر کھیل کر لڑے۔ فارس کے سپاہیوں کو آخر بھاگتے بن پڑی۔

لڑکی کے معاملہ میں غیرت صرف عرب امراء ہی کی خاصیت نہیں تھی، غریب اور مفلوک لوگوں کا بھی یہی عالم تھا۔ وہ اگر اپنے آپ کو بالکل بے بس پاتے تھے، تو اپنی لڑکیوں کو وفورِ غیرت سے زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اسلام آیا اور اس نے اس رسمِ قبیح کا انسداد کیا۔

اسلام نے عورت کو کیا دیا؟

اسلام نے عرب عورت کو بہت کچھ دیا۔ اسلام سے پہلے عورت کی شان تو بہت تھی، لیکن

جہاں تک زندگی کے حقوق کا تعلق تھا وہ بہت مظلوم تھی۔ نہ اسکا کوئی حصہ تھا نہ مستقل حیثیت۔ اسلام نے اسے حقوق دیئے، اس کی مستقل حیثیت متعین کی۔ اسے مردوں کے برابر زندگی کے حقوق عطا کئے، وراثت میں اس کا حصہ رکھا، اس کی انفرادیت تسلیم کی۔ اس کا جداگانہ وجود مانا۔ اس کی رضا کو اہمیت دی، اسے رائے قائم کرنے اور اپنے معاملات کا خود فیصلہ کرنے کا حق دیا۔ ان میں سے کوئی بات بھی اسلام سے پہلے اسے میسّر نہ تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دوسرے مہذب اور متمدن ممالک فارس اور روم میں عورت مرد کی بندگی کر رہی تھی۔ اسے کوئی اہمیت و منزلت حاصل نہ تھی۔

حضرت بلقیس

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس موقعہ پر دو عرب خواتین کا خاص طور پر ذکر کریں، جو اپنی عقل و فہم، فکر و رائے، منزلت اور عظمت کے اعتبار سے تاریخ کا جزو بن چکی ہیں۔ ایک تو یمن کی بلقیس، جنہوں نے بڑے ٹھاٹھ سے حکومت کی، تہذیب مدنی میں حصہ لیا۔ سد مارب بنایا جس نے زمین کو سیراب کیا، زندگی اگائی، فراغت اور رعافیت کے وسائل پیدا کیے اور یمن ایک نئی زندگی سے آشنا ہو گیا۔ یہی بلقیس ہیں، جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے، جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بڑے تزک و احتشام کیساتھ تشریف لے گئی تھیں۔

ملکہ زباء یا زینب

دوسری عرب خاتون زباء یا زینب ہیں جو تدمر کی ملکہ تھیں۔ تدمر بادیۂ شام میں شمال کی طرف دمشق سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلہ پر واقع تھا اور فرات سے چند یوم کی مسافت پر۔

زینب کو خدا نے حسن و جمال کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ شیریں سخن تھیں، عزم راسخ کی مالک تھیں۔ نڈر، دلیر اور بہادر تھیں، جنگ کے میدان میں مردوں سے زیادہ ثابت قدم اور حوصلہ مند، وہ سر پر خود پہن کر زرہ سے آراستہ ہو کر تلوار ہاتھ میں لے کر صفوں میں گھس جاتیں اور لوگوں میں جنگ و پیکار کا ایسا جذبہ پیدا کر تیں کہ بزدل بہادر بن جاتے

اور بڑے سے بڑا معرکہ منٹوں میں سر ہو جاتا۔

اسلام سے پہلے عرب خواتین کا یہ پس منظر بیان کرنا اس لیے ضروری تھا کہ زمین و آسمان کی سب سے زیادہ معزز خاتون ——— فاطمۃ الزہراؓ ——— کی حیاتِ طیبہ کا صحیح نقش قائم ہو سکے۔

۳

خدیجہؓ بنتِ خویلد اور ان کا کاروبار

ضروری ہے کہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے احوال و سوانح پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے، اس لئے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفیقۂ حیات تھیں۔ اس لئے کہ وہ فاطمۃ الزہراؓ کی ماں تھیں۔ اس لئے کہ اسلام کی تاریخ سے ان کا گہرا تعلق رہا اور اس لئے بھی، کہ وہ انسانیت کبریٰ کے مقامِ بلند پر فائز تھیں۔

وہ بہت اُونچے خاندان کی عالی نسب و الاحسب، پاک باز اور پاک نہاد دولت مند خاتون تھیں۔ مکّہ کے نہ جانے کتنے فاقہ مست اور مفلوک الحال ان کی داد و دہش، اور سخاوت سے اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جو تھا وہ ان کے گن گاتا تھا اور وہ تھیں بھی اس قابل کہ ان کی تعریف کی جائے، انہیں اچھے الفاظ سے یاد کیا جائے حسنِ سلوک، حسنِ اخلاق اور حسنِ بیان یہ تھیں۔ خدیجہؓ کی طینت و سرشت، خدیجہؓ زندگی کی چالیس بہاریں دیکھ چکی تھیں، عرب پر کفر و شرک مسلط تھا۔ لوگ خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پُوج رہے تھے، ایک خدا سے بیزار تھے ان گنت خداؤں کے سنگِ آستان پر سجدہ ریز ہوتے تھے۔

سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ رذائل عادات میں مبتلا تھے۔ اقدارِ انسانی پامال ہو رہے تھے، صفاتِ انسانی کی پُوچھ نہ تھی، لیکن اسی تاریکی میں کچھ نیک پاک، برگزیدہ اور قدسی صفت ہستیاں ایسی تھیں جو شعاعِ اُمید کی طرح چمک رہی تھیں، انھیں میں خدیجہؓ بھی تھیں۔ جو اپنے اخلاق و کردار اور سیرت کے اعتبار سے اس درجہ ممتاز اور سربلند تھیں کہ لوگ انہیں طاہرہ کے معزز اور محترم نام سے یاد کرتے تھے۔

خدیجہؓ کی صفات

خدیجہؓ کی نیکیاں اور اچھائیاں ایسی تھیں کہ انہوں نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ ان کی فکر و رائے سوجھ بوجھ معاملہ فہمی اور کردار نے لوگوں کے قلوب پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ بہت سے لوگ تھے جن کی تمنا تھی، کہ انہیں اپنی رفیقِ حیات بنالیں۔ انہی اُمیدواروں میں مکّہ کے ایک سربرآوردہ شخص عتیق بن عابد تھے۔ انہوں نے نکاح کا پیام دیا اور قبول کر لیا گیا۔ رسم نکاح انجام پاگئی۔ لیکن زندگی کا یہ نیا دور بہت مختصر تھا۔ عتیق نے اس دنیا سے کنارہ کیا۔ ان کی وفات کے بعد قریش کے ایک سربرآوردہ شخص ابو ہالہ نے نکاح کا پیام دیا شادی ہوگئی اور دونوں سکون اور عافیت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ کچھ عرصے کے بعد خدیجہؓ ایک بچے کی ماں بن گئیں، جن کا نام ماں باپ نے ہند رکھا لیکن لڑکا نوعمری میں چل بسا اور اس کے کچھ عرصے کے بعد ابو ہالہ بھی اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگیا۔

اور اب خدیجہؓ پھر تنہا تھیں۔

تنہائی کی زندگی

خدیجہؓ تنہا تھیں۔ لیکن تابل کی زندگی انہیں اپنی طرف کھینچ رہی تھی وہ ابھی جوان تھیں ہر طرح کا سامانِ راحت موجود تھا۔ قریش کے اشراف و امراء کی طرف سے شادی کے پیام آرہے تھے۔ لیکن وہ لطف و ادب کے ساتھ انہیں مسترد کر رہی تھیں اور دوسرے شوہر کی وفات کے بعد تیسری شادی کے خیال سے ہچکچاتی تھیں۔ کاروبار اور تجارتی زندگی میں انہوں نے اپنے آپ کو اتنا مصروف کر لیا تھا کہ شادی کی طرف دھیان دینے کی فرصت ہی نہ تھی۔

دنیاوی اور مالی اعتبار سے خدیجہؓ کو کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ دولت کی ریل پیل تھی فراغت اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے وسائل موجود تھے۔ کاروبار کا سلسلہ جاری تھا اور اس میں روز بروز ترقی ہو رہی تھی گھر میں نوکر چاکر اور لونڈی غلام موجود تھے غرض پورے امیرانہ جاہ و جلال اور رئیسانہ شان و شوکت کے ساتھ بے غل و غش زندگی کے دن بسر کر رہی تھیں۔

کسی عورت کا مرد کی شرکت میں کاروبار کرنا تعجب انگیز تو تھا، لیکن کچھ ایسا وقوع بھی نہیں تھا۔ خاص طور پر مکّہ میں خدیجہؓ کا مستقر مکّہ تھا اور اس کی حیثیت ایک بہت بڑی تجارتی منڈی کی تھی۔ یہاں کے لوگ فطرتاً تجارت اور کاروبار سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے۔ چنانچہ اکثر ان کے چھوٹے بڑے قافلے مکّہ سے شام کی طرف اور دوسرے دور دراز مقامات کی طرف کوچ کیا کرتے تھے۔ لدے پھندے جاتے تھے۔ اور لدے پھندے واپس آتے تھے۔ کاروبار کو فروغ اور وسعت دینے کے لیے مکّہ کے لوگوں نے اپنی ذہانت سے کئی تدبیریں سوچ رکھی تھیں۔ ان میں میلے بھی تھے۔ ان میلوں میں عکاظ کا میلہ، اپنی رونق، گہما گہمی، اور تنوع کے اعتبار سے خاص اہمیّت کا حامل تھا۔ یہ میلہ ہر سال لگتا تھا۔ اور دُنیا جہاں کی چیزیں خرید و فروخت کے لیے لائی جاتی تھیں۔

عکاظ کا میلہ

سوق عکاظ یعنی عکاظ کا میلہ عربوں کی تجارتی زندگی کے لیے بڑی اہمیّت رکھتا تھا۔ عکاظ، طائف اور مکّہ کے درمیان واقع تھا۔ یہاں پہلی ذیقعد سے میلہ لگا کرتا تھا، بادشاہ مغیرہ نعمان بن منذر کی وجہ سے اس میلہ کو اور زیادہ غیر معمولی اہمیّت حاصل ہو گئی تھی، کیونکہ یہ فارس سے قریب اور مکّہ سے دُور تھا۔ نعمان ہر سال عکاظ کے میلہ میں مالِ تجارت روانہ کرتا تھا جسے فروخت کرنے کے بعد طائف کا چمڑا اور دوسری چیزیں خرید لی جاتی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مکّہ طائف اور حجاز تجارتی منڈی کی حیثیت سے زرخیز اہمیّت کے حامل تھے۔ یہاں کے تاجر قریب اور بعید مقامات کا سفر کیا کرتے تھے۔ خاص طور پر شام سے ان کا گہرا تجارتی رابطہ تھا۔ حجازی مال وہاں کے بازار میں خوب کھپتا تھا اور وہاں کا مال حجاز کے بازار میں آکر خوب بکتا تھا۔

حجاز کی پیداوار

حجاز کی پیداوار جو دوسرے مقامات پر درآمد کی جاتی تھی۔ وہ چند چیزوں پر مشتمل تھی۔ مثلاً معدنیات، جڑی بوٹی، خوشبو، چمڑا

دھونے، رنگنے اور صاف کرنے کی چیزیں، پنیر، پشم، اُون وغیرہ۔

مکّہ کی تجارتی اہمیت ان چیزوں کے علاوہ وہ لوگ کھجوروں اور انگوروں کو خشک کر کے کشمکش اور منقہ اور دوسری چیزیں تیار کر لیا کرتے تھے۔ جب کاروان تجارت بنا کر وطن سے باہر جاتے تو سب چیزیں ان کے ساتھ جاتیں منہ مانگے داموں پر فروخت کر کے خوش و خرم واپس آجاتے تھے۔

غرض مکّہ کی تجارتی اہمیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور وہاں کے لوگ کاروبار سے خوب نفع کما رہے تھے۔ تجارت کی کامیابی اور کثرت نے انہیں مختلف تجارتی طبقوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ کسی کا کام پارچہ فروشی تھا، کوئی تیل یا پھل بیچنے کا کام کرتا تھا۔ بعضوں کا پیشہ قصابی تھا کچھ ایسے لوگ تھے جو صرف سلاح جنگ کی تجارت کرتے تھے۔ کچھ لوگوں کا ذریعہ معاش لونڈیوں اور غلاموں کی خرید و فروخت تھا۔ کچھ شراب کا کاروبار کرتے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جو دواؤں اور جڑی بوٹیوں کی تجارت میں مشغول تھے۔ چنانچہ روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پارچہ فروشی کیا کرتے تھے۔ اس تجارت نے قریش کو کافی دولت مند بنا دیا تھا۔ وہ بالعموم نہایت ٹھاٹھ کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ سب کچھ تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے۔ کہ جنگِ بدر کے سلسلہ میں قریش کے جو لوگ اسیر جنگ کی حیثیت سے مسلمانوں کے پاس قید تھے، انہیں منہ مانگا فدیہ دیکر رہا کرالیا گیا بغیر غیر معمولی دولت کے یہ کیوں کر ممکن تھا؟ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صفوان بن اُمیّہ کی دولت مندی کا ذکر فرمایا ہے۔

خدیجہؓ کا کاروبار خدیجہؓ کا کاروبار اچھا خاصا پھیلا ہوا تھا۔ خزانہ کا مال تجارت وہ شام میں بغرض فروخت روانہ کیا کرتی تھیں اور وہاں کی بکاؤ چیزیں خرید کر مکّہ میں اور عکاظ کے میلہ میں بیچا کرتی تھیں اور اس طرح دونوں قسم کی تجارت پر کافی منفعت حاصل ہوتی تھی۔ خدیجہؓ کے کانوں میں قریش کے ایک نوجوان ـــــ محمدؐ ـــــ کی

دیانت و امانت، راست بازی پاکیزگی خوش خوئی اور شرافت و نجابت کا چرچا پہنچا۔ انہوں نے سوچا کیوں نہ ایسے آدمی کو وکیل تجارت بنا کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے؟ چنانچہ انہوں نے محمدؐ بن عبداللہ کو یہ پیش کش کی، کہ وہ مالِ تجارت لے کر شام کے سفر پر روانہ ہوں۔

محمدؐ کا ابوطالب سے مشورہ محمدؐ کا اس دنیا میں کوئی نہ تھا۔ ایک ابوطالب تھے، جو بیک وقت دوست بھی، ہمدرد بھی اور ہوا خواہ بھی تھے۔ اور سراپا شفقت چچا بھی، ان سے مشورہ لیا۔ انہوں نے نصیحت کی۔ کہ پیش کش قبول کر لینی چاہیئے! محمدؐ نے اس نصیحت پر عمل کیا اور خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ مالِ تجارت لے کر شام کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ بہت اچھے داموں پر شام میں وہ مال ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ فروخت سے جو آمدنی ہوئی، اس سے شام کا بکا ؤ مال خریدا اور مکہ میں خدیجہ نے اسے منہ مانگے داموں بیچ کر توقع سے کہیں زیادہ نفع کمایا۔

محمدؐ محمدؐ کی اس کامیابی نے خدیجہؓ کو ان کی طرف متوجہ کر دیا۔ انہوں نے اس نوجوان کو دیکھا، اس میں کشش اور جاذبیت محسوس کی، یہ کم گو بلند اخلاق، خوش رو نوجوان اپنے کردار و سیرت، اخلاق و شخصیت وجاہت اور عظمت گفتار و رفتار ہر اعتبار سے اپنے اندر ایک شان رکھتا تھا۔ ایک عجیب شان، ایسی شان" جو خواہ مخواہ دل کو اپنی طرف کھینچتی تھی، دل خود بخود اس میں ایک کشش محسوس کرتا تھا اور اس کا متوالا ہو جاتا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ محمدؐ اپنی زندگی کی ۲۵ منزلیں طے کر چکے تھے۔ اس عمر میں عام طور پر عرب کے نوجوان اپنا وقت ہنسی دل لگی سیر و تفریح، عیش و طرب، راگ و رنگ اور دوسری دلچسپیوں میں صرف کرتے تھے لیکن محمدؐ کی زندگی اپنے ہم عمروں کے برعکس وقار و شائستگی کا مکمل ترین نمونہ تھی۔ ان سے کبھی کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی، جو مجدد شرف اور وقار و عظمت کے خلاف ہوتی۔ وہ نوجوان تھے، لیکن مفکر، سنجیدہ اور نہایت

درجہ پسندیدہ اطوار کے حامل۔

میسرہ کے مشاہدات

میسرہ کے سفر شام کے سلسلہ میں خدیجہؓ نے بہت سی باتیں دریافت کیں۔ سلسلۂ کلام میں حضرت محمدؐ کا ذکر چھڑا۔ اور میسرہ کی زبان نے وہ سب کچھ بیان کر دیا جو اس نے اس پاکیزہ اطوار اور پسندیدہ خصائل شخص کے بارے میں دیکھا اور محسوس کیا تھا۔

میسرہ کی زبانِ حال نے یہ سب کچھ کہہ دیا۔

حضرت محمدؐ کے خلق و اخلاق کی تعریف سے زبان قاصر ہے یہ نوجوان اپنے ہم عمر نوجوانوں سے مزاج و طبیعت میں، گفتار و کردار میں، سیرت و شخصیت میں یکسر مختلف ہے۔ اسے شور و ہنگامہ کی زندگی سے نفور ہے۔ سکون اور تنہائی کی زندگی اسے مرغوب ہے، شہر کی رونق اور چہل پہل سے اسے وہ دلچسپی نہیں جو صحرا کے سکون و سکوت سے ہے۔ دن کے شور و غل اور ہاؤ ہو سے ذرہ برابر لگاؤ نہیں۔ رات کا سناٹا اسے بھاتا ہے اور شب کی خلوت میں یہ اپنی انجمن سجا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے ساتھی زندگی کی دلچسپیوں، رنگا رنگیوں اور شیوہ طرازیوں میں بھرپور حصہ لیتے ہیں۔ لیکن یہ ان چیزوں پر نگاہ غلط انداز بھی نہیں ڈالتا۔ پھر بھی نہ جانے کیا بات ہے۔ کہ دل اس کی طرف کھنچتا ہے آنکھیں اس کی طرف دیکھنے سے تھکتی نہیں۔ ایسا نوجوان میری نظر سے تو آج تک نہیں گذرا۔

خدیجہؓ کے تاثرات

میسرہ کی ان باتوں نے خدیجہؓ کو چونکا دیا۔ یہ چرچا دوسرے لوگوں کی طرح ان کے کانوں میں پڑ چکا تھا کہ کسی نئے نبیؐ کا ظہور ہونے والا ہے۔ وہ سوچنے لگیں، ان کے دل کی گہرائی سے آواز بلند ہوئی، اگر واقعی کوئی نبیؐ آنے والا ہے تو وہ محمدؐ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

اپنے غلام میسرہ کی باتیں سُن کر خدیجہؓ کا خیال کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ اب تک ان کے دل میں محمدؐ کی عزّت تھی، وقعت تھی، عظمت تھی اور اب محبّت بھی پیدا ہو گئی۔

۴

حضرت محمدؐ کی شادی خدیجہؓ سے

شام سے واپس آنے کے بعد محمدؐ بن عبداللہ، خدیجہؓ بنت خویلد کے گھر تشریف لے گئے ان کے چچا ابوطالب نے خود ہی کہا تھا جاؤ! ذرا وہاں ہو آؤ۔ پھر ابوطالب نے اپنی ایک جاریہ بھی روانہ کی۔ کہ دیکھے تاجر اور اس کے وکیل تجارت میں کیا باتیں ہوتی ہیں؟ اور آئندہ کے لئے کاروباری امور مستحکم اور مستقل صورت اختیار کرتے ہیں یا نہیں؟ تھوڑی دیر کے بعد جاریہ واپس آئی، متعجب اور متعجب اس نے کہا۔

حضرت محمدؐ کی آواز سنتے ہی خدیجہؓ باہر نکل آئیں۔ انہوں نے، ادب سے محمدؐ کا ہاتھ پکڑا اور عرض والتجا کے پیرایہ میں گویا ہوئیں۔

میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ میں ہرگز یہ جسارت نہ کرتی۔ لیکن میرا دل گواہی دے رہا ہے۔ وہ نبی جو عنقریب مبعوث ہونے والا ہے، صرف آپ ہی ہو سکتے ہیں۔ پس اگر میرا خیال صحیح ہے اور آپ ہی اس منصب پر فائز ہونا چاہتے ہیں۔ تو صرف اتنی التجا کرتی ہوں۔ کہ مجھے اور میری سچی عقیدت کو فراموش نہ کر دیجئے گا۔

خدیجہؓ کی یہ باتیں سن کر محمدؐ نے جواب دیا۔

اگر میں وہی ثابت ہوا جو تم سمجھ رہی ہو۔ تو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، میں تمہارے احسان اور کرم کو بھول جاؤں۔ لیکن اگر کوئی نبی آنے والا ہے۔ اور وہ کوئی دوسرا شخص ہوا۔ تو خدا تمہیں ضرور اجر سے نوازے گا۔

محمدؐ کے اخلاق وصفات

اس روایت کو ممکن ہے بعض لوگ ناقابل یقین قرار دیں۔ لیکن میرے نزدیک تو اسے قبول کرنے اور

اسے صحیح باور کر لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ خدیجہؓ ورقہ بن نوفل کی رشتہ دار تھیں۔ اور نوفل وہ تھے کہ عہدِ جاہلیت و بت پرستی میں ایک خدا کی پرستش کرتے تھے اور اس بات پر یقین رکھتے تھے۔ کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے، جو شرک و کفر بھی بت پرستی اور اوہام و مفاسد کا قلع قمع کر دے گا۔ ایک خدا کی طرف بلا دے گا اور دینِ حق اور دینِ توحید قائم کرے گا۔ عین ممکن ہے کہ نوفل نے اس طرح کی باتیں خدیجہؓ کے سامنے سلسلۂ سخن میں کبھی کہی ہوں۔ بات خدیجہؓ کے دل میں رہ گئی ہو۔ انہوں نے وقت کے اشراف و اعیان و سادات عرب پر ایک نظر ڈالی اور انبیاء کے اخلاق و صفات کا حامل اگر کسی کو پایا تو صرف محمدؐ کو، چونکہ نوفل کی طرح وہ بھی ایک آنے والے نبیؐ کی آمد پر یقین رکھتی تھیں اور ان لوگوں میں تھیں جو ایک نبیؐ کی آمد کے منتظر تھے۔ لہٰذا انہوں نے محسوس کر لیا کہ وہ نبی منتظر یہی ہے۔

خدیجہؓ کی محبت

گو خدیجہؓ کو یقین تھا۔ کہ جس نبیؐ کا انتظار کیا جا رہا ہے وہ محمدؐ ہی ہو سکتے ہیں۔ لیکن بہر حال یہ ایک ایسا خیال تھا جو غلط بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن ایک بات ایسی تھی جو شک و شبہ سے بالا تھی۔ جس کے غلط ہونے کا سرے سے امکان ہی نہیں تھا، جو آفتاب کی طرح روشن اور پہاڑ کی طرح اٹل تھی۔ وہ محمدؐ کا اخلاق و سیرت بلند اخلاق اور پاکیزہ سیرت، یہ وہ چیز تھی، جس نے خدیجہؓ کے دل میں محبت پیدا کر دی۔

پیامِ نکاح

لیکن خدیجہؓ تو محبت کرنے لگی تھیں، مگر کیا محمدؐ بھی اس محبت میں حصہ لے سکتے ہیں؟ یہ سوال تھا جو خدیجہؓ کے دل و دماغ میں گردش کر رہا تھا۔ رشتۂ ازدواج کی تحریک کرتے ہوئے وہ اسی لئے ہچکچاتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے رشتہ کی ایک بہن، کو اس کام پر مامور کیا کہ محمدؐ کا عندیہ لیں، وہ آئیں اور انہوں نے باتوں باتوں میں یہ سوال اٹھایا۔ محمدؐ نے کہا۔

"لیکن میرے پاس ہے کیا؟ کس برتے پر کسی سے شادی کا خیال دل میں لا سکتا

ہوں!"

وہ جواب میں گویا ہوئیں، ——————— "لیکن اگر کوئی ایسی خاتون رشتہ ازدواج کی متمنی ہو، جو صاحبِ مال و جمال بھی ہو اور اشرف و نسیب بھی، تو کیا آپ اسے قبول کریں گے؟

محمدؐ نے پوچھا،" وہ کون خاتون ہو سکتی ہے"؟

فوراً جواب ملا

"خدیجہؓ!"

محمدؐ نے کہا۔

"مجھے کوئی عذر نہیں!"

وہ آئیں اور انہوں نے خدیجہؓ کو اس گفتگو سے باخبر کیا، خدیجہؓ نے اپنے چچا عمرو بن سعد کو لے آئیں تاکہ وہ ولی کی حیثیت سے یہ تقریب انجام دیں۔

محفل عقد محفل عقد آراستہ ہوئی محمدؐ بن عبداللہ اپنے اعمام اور قبیلہ مضر کے سرداروں کو لے کر بزمِ نکاح میں جلوہ گر ہوئے۔ اس تقریب سعید کے موقعہ پر ابوبکر صدیقؓ بھی تشریف فرما تھے۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ انہوں نے اپنے فصیح و بلیغ خطبہ میں فرمایا

> میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں، جس نے ہمیں ابراہیمؑ کی نسل اور اسماعیلؑ کی اولاد ہونے کی عزت بخشی، جس نے ہمیں قبیلہ مضر جیسے ممتاز و معزز قبیلہ کا ایک فرد بنایا، جس نے اپنے گھر یعنی کعبہ کا نگہبان اور اپنے حرم کا محافظ مقرر کیا۔ وہ حرم، کہ ہر گوشۂ عالم سے لوگ اس کا حج کرنے کے لئے رواں دواں اس منصب آتے ہیں، جس نے ہمیں سرداری اور ریاست کا منصب عطا فرمایا۔

لوگو! تمہارے سامنے میرا محبوب بھتیجا محمدؐ موجود ہے۔ یہ عزت و شرافت کے اعتبار سے حسب و نسب کے لحاظ سے، عقل و فضل کی حیثیت سے اپنے ہم عمروں اور ہم جولیوں سے طرح، فرد و مایا نہیں۔ بلاشبہ میرے اس بھتیجے کا دامن دولت و ثروت سے خالی ہے۔ لیکن یہ دولت و ثروت بہتا ہوا پانی ہے، جسے قرار نہیں، ثبات نہیں، باقی رہنے والی دولت عزت کی ہے۔ شرافت کی ہے۔ میں اپنے اس بھتیجے کا نکاح خدیجہؓ بنت خویلد سے کرتا ہوں۔

ابو طالب کی تقریر دل پذیر سب لوگوں نے گوش ہوش سے سنی۔ پھر اس کے بعد ورقہ بن نوفل کھڑے ہوئے اور انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

خدا کا شکر ہے۔ کہ اس نے واقعی تمہیں وہ بلندی و سرفرازی عطا فرمائی۔ اے ابو طالب، جس کا تم نے ابھی ذکر کیا تھا۔ بلاشبہ خدا نے تمہیں وہ شرف و مجد عطا فرمایا ہے، جس کا تم ابھی ذکر کر رہے تھے۔ ہاں! ہم اہل عرب کے سردار اور رہنما ہیں اور جن باتوں کا تم نے ذکر کیا تھا! ماننا ہوں کہ یہ فضیلت و برتری تمہیں حاصل ہے۔ تمہارے خاندان کی برتری و نجابت سے کسی کو بھی انکار ممکن نہیں۔ تمہارے فخر و اعتبار کی تکذیب کوئی نہیں کر سکتا۔ ہماری آرزو اور تمنا ہے کہ تم سے رشتہ و پیوند کا تعلق قائم ہو جائے۔ تاکہ ہم بھی اس مجد و شرف کے حصہ دار بن سکیں، جو تمہیں حاصل ہے۔ پس اے معشر قریش میں تمہیں گواہ بناتا ہوں۔ کہ میں نے خدیجہؓ بنت خویلد کا نکاح محمدؐ بن عبداللہ کے ساتھ خاندانی مہر پر کر دیا۔

ایجاب و قبول

یہ تقریر حاضرین نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے سُنی
کے بعد ابُوطالب نے ارشاد فرمایا۔ میری خواہش ہے
کہ خدیجہؓ کے چچا بھی کچھ کہیں۔ تاکہ نکاح کی تمام شرائط بخیر و خوبی تکمیل پذیر ہو جائیں
اور یہ رسم بہ ہمہ وجوہ مکمل ہو جائے۔ یہ سن کر خدیجہؓ کے چچا عمرو بن سعد
اٹھے اور انہوں نے کہا۔

"اے معشر قریش! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں۔ کہ خدیجہؓ بنت خویلد کا
نکاح محمدؐ بن عبداللہ کے ساتھ مجھے دل و جان سے منظور ہے۔"

محمدؐ نے نکاح قبول کر لیا اور صنادید قریش اس کے گواہ قرار پائے

زندگی کا نیا دَور

یہ عقد نکاح، دونوں کی زندگی کے لیے ایک نیا موڑ
ثابت ہوا ——— یہاں سے دونوں کی زندگی
کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ خدیجہؓ کے پاس دولت و ثروت کی بہتات تھی۔
انہوں نے اپنی ساری پونجی لاکر شوہر کے سامنے ڈھیر کر دی اور بڑے خلوص کے ساتھ
عرض گذار ہوئیں۔

میرے پاس جو کچھ تھا، وہ حاضر ہے۔ اب اس کی مالک میں
نہیں، آپ ہیں۔ آپ کو اختیار ہے۔ کہ یہ دولت جس طرح چاہیں صرف
میں لائیں، یہی میری خوشی ہے اور یہی میری آرزو ———!

خدیجہؓ کی یہ سچی اور پُرخلوص پیش کش آپؐ نے منظور فرمائی۔ اور اب تک جس
دولت کا مصرف یہ تھا کہ اس سے تجارت اور کاروبار کو وسعت دی جائے، نفع
کمایا جائے، اضافہ کیا جائے۔ آج سے اس کا مصرف یہ قرار پایا کہ اس سے غریبوں کا
تن ڈھانکا جائے، مسکینوں کا پیٹ بھرا جائے، مسافروں کی مدد کی جائے، یتیموں کی
دست گیری کی جائے، مظلوموں کی دادرسی کی جائے، غلاموں کو خریدا جائے اور

آزاد کر دیا جائے۔ یہ دولت جس شخص کے ہاتھ میں آئی تھی، ہمیشہ سے غنی تھا۔ وہ غیروں اور بے گانوں کے ساتھ بھی حُسنِ سلوک سے پیش آتا تھا۔ پھر بھلا اس موقع پر ان لوگوں کو کس طرح فراموش کر سکتا تھا۔ جنہوں نے آج سے پہلے دورِ فلاکت میں اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تھا؟ دل میں یہ جذبہ ہمیشہ سے تھا۔ کہ اپنے ساتھ نیک اور اچھا برتاؤ کرنے والوں کو نوازا جائے۔ لیکن موقع نہ تھا۔ ہاتھ خالی تھا، لیکن اب حالات بدل چکے تھے۔ لہٰذا جی کھول کر ان لوگوں کی امداد و اعانت فرمائی، جنہوں نے پہلے کبھی، کوئی معمولی سا سلوک بھی کیا تھا۔ شریف اور محبّت کرنے والی بیوی خدیجہؓ بھی اس جذبۂ صالح میں، اپنے شوہر کی دل و جان سے تائید و اعانت کر رہی تھیں۔ ان دونوں کی سچّی اور بے لوث محبت نے ایک نیا گھر ہی نہیں بنایا تھا، ایک نئی جنّت بھی بسائی تھی، جس میں سکون و عافیت اور اطمینان و مسرّت کا دور دورہ تھا۔

امّ ایمن اس زمانے میں آپؐ نے اپنی حبشی دودھ پلائی ـــــ امّ ایمن ـــــ کو خاص طور پر نوازا، یہ وہ خاتون تھیں، جنہوں نے بڑے چاؤ سے اپنی محبّت و شفقت کی دولت انہوں کو چھوڑ کر آپؐ پر لٹائی تھی۔ یہ ایک باندی تھیں۔ آپؐ نے انہیں آزادی دلائی اور آزادی و حرّیت کی نعمت عطا کی۔ یثرب کا ایک آدمی مکّہ میں رہتا تھا۔ اس سے شادی کرادی۔ دونوں میاں بیوی آسودگی اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے، پھر وہ اپنے شوہر کے ساتھ یثرب چلی گئیں۔ جب شوہر کا وہاں انتقال ہو گیا۔ تو اپنے بیٹے محمد بن عبداللہ کی خدمت میں واپس آ گئیں۔ اب ساتھ میں مرحوم شوہر کی یادگار ایک لڑکا بھی تھا۔ جس کا نام ایمن بن عبید تھا۔ اسی لڑکے کے نام پر اپنی کنیّت ام ایمن رکھی۔ خدیجہؓ نے ام ایمن اور ان کے لڑکے کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ان دونوں ماں بیٹے کی خاطر مدارت اور

دل جوئی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ خود آنحضرتؐ کا یہ حال تھا کہ کوئی بڑی سے بڑی مصروفیت اور مشغولیت بھی آپؐ کو ام ایمنؓ کی خاطر داشت اور نگہداشت سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ آپؐ اپنے صحابہؓ سے جب کبھی ام ایمنؓ کا تذکرہ فرماتے تو ارشاد کرتے۔

"یہ میرے اہل بیت میں سے ہیں"

آپؐ کو ہمیشہ ام ایمنؓ کی راحت و آسائش کا خیال رہتا تھا، چنانچہ وہ بیوہ ہوکر جب یثرب سے آپؐ کے پاس مکّہ واپس آئیں، تو آپؐ نے چاہا۔ کہ پھر سے وہ گھریلو زندگی بسر کریں، چنانچہ آپؐ کی کوشش تھی کہ پھر کہیں آپ کی شادی کردی جائے آپؐ ان کے لیے ایک اچھے نیک اور شریف شوہر کی تلاش میں تھے۔ کہ ایک روز آپؐ نے صحابہؓ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

امّ ایمنؓ کے لئے آپؐ کی تگ و دو

"جو کسی جنتی عورت سے شادی کرنے کا آرزومند ہو، اُسے چاہیئے کہ ام ایمنؓ سے شادی کرلے!"

یہ سنتے ہی آپؐ کے خادم خاص حضرت زیدؓ آگے بڑھے اور انہوں نے ام ایمنؓ کو اپنے نکاح میں لے لیا۔

پھر وہ زمانہ آیا کہ آپؐ منصب نبوّت پر فائز ہوئے، بت پرستوں کی قوم کو آپؐ نے ایک خدا کی طرف بلایا۔ یہ صدائے حق سُنتے ہی مکّہ کا ذرّہ ذرّہ آپؐ کا دشمن ہوگیا۔ آپؐ تن تنہا تھے۔ اور ساری قوم کے اکابر ایک طرف، اس پیام حق کو قبول کرنے پر کوئی آمادہ نہیں تھا اور آپؐ بھی کسی قیمت پر دعوتِ حق سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپؐ کو سخت ترین دورِ ابتلا سے گزرنا پڑا۔ دوست دشمن ہوگئے۔ مداح و ثنا خواں شب وشتم پر آمادہ ہوگئے۔ جاننے والوں نے

آنکھیں پھیر لیں۔ دشمن ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ مگر دوست، ساتھی اور رفیق کی صورت کہیں نظر نہ آتی تھی، اِدھر ایک فردِ واحد تھا۔ اُدھر کثیر العدد جماعت جو اپنی پوری خباثت اور بد طینتی کے ساتھ آپؐ کا مقابلہ کر رہی تھی اور اس مقابلہ میں تمام شیطانی ذرائع استعمال کر رہی تھی۔ لیکن آپؐ صبر و طمانیت اور عزیمت و استقلال کے ساتھ جملہ مصائب برداشت کر رہے تھے۔

اُمِّ ایمنؓ کی جاں سپاری

اس نازک مرحلہ پر اُمِّ ایمنؓ نے بڑی، دل سوزی اور خلوص سے آپؐ کا ساتھ دیا۔ آپؐ نے جب بلایا۔ وہ سر کے بل حاضر ہوئیں۔ جب آپؐ نے بشیر و نذیر کی حیثیت سے اسلام کی دعوت دی۔ ام ایمنؓ فوراً ایمان لے آئیں۔ جب مشرکین نے فیصلہ کیا۔ کہ آپؐ کو ہلاک کریں اور آپؐ مکّہ سے ہجرت کر کے یثرب تشریف لے گئے تو ام ایمنؓ کی ماتا صبر نہ کر سکی، وہ بھی ہر خطرہ اور اندیشہ سے بے نیاز ہو کر پیچھے پیچھے چلیں اللہ اور اس کے رسولؐ یعنی اپنے چہیتے بیٹے کے لیے وہ ہجرت کے ارادہ سے نکل کھڑی ہوئیں۔ راستہ میں بیچاری کو زبردست مصیبتوں اور تکلیفوں سے سابقہ پڑا۔ انہی کا دل جگر تھا۔ کہ برداشت کر لے گئیں۔ صبر و سکون کے ساتھ ہر دُکھ جھیلتی ہوئی وہ آگے بڑھتی رہیں۔ نہ ان کے پائے ثبات میں لغزش تھی، نہ ان کے عزم ہجرت میں تذبذب۔ سفر اسی طرح سے کر رہی تھیں۔ کہ سارا دن روزہ سے گزرتا تھا۔ بھوک اور پیاس کی تکلیف ناقابل برداشت ہو چکی تھی۔ پھر گرم فضا، شدید موسم لو کے طمانچے، دھوپ کی تمازت، یہاں تک کہ وہ نیم جاں ہو گئیں۔ لیکن صبر کا دامن اب بھی مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھیں، گرتی پڑتی چل رہی تھیں۔ اپنے آپ کو مشیّت الٰہی کے سپرد کر چکی تھیں۔ اتنے میں خدا کا دریائے رحمت جوش میں آیا۔ انہوں نے محسوس کیا۔ آسمان سے پانی ٹپک رہا ہے وہ چند قطرے آبِ حیات ثابت ہوئے۔

اور تشنگی دور ہوگئی۔ اس کے بعد ام ایمنؓ سالہا سال تک زندہ رہیں اور تکلیف و راحت، اطمینان، بے اطمینانی ہر طرح کی زندگی بسر کی۔ لیکن پیاس کی شدت و تکلیف پھر کبھی نہیں محسوس کی اور کر بھی کیسے سکتی تھیں، جس نے آبِ جنت پی لیا ہو، پھر وہ تشنگی کیوں محسوس کرے؟

امّ ایمنؓ کی ہجرت

ام ایمنؓ مدینہ پہنچ گئیں۔ اپنے "بیٹے" کے پاس پہنچ گئیں۔ اور اپنی محبت و عطوفت اس پر نچھاور کرنے لگیں۔ اب نہ انہیں کوئی دکھ تھا نہ تکلیف، نہ فکر نہ پریشانی اب وہ خوش نفیس، مطمئن تھیں۔ ان کی خوشی اب انکے پاس تھی۔ ان کا اطمینان ان کے قریب تھا۔

مدینہ میں ام ایمنؓ آپؐ ہی کے پاس مقیم رہیں۔ کبھی جدا ہوئیں تو کسی مجبوری کی وجہ سے، وہ بھی عارضی طور پر۔

امّ ایمنؓ کا ایمان اور عزیمت

یہ ام ایمنؓ ہی تھیں، جو جنگِ اُحد میں مردانہ ہمت کے ساتھ پہنچیں اور مشک کاندھے پر لاد کر زخمیوں کو پانی پلاتی رہیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں، جنگِ خیبر میں بھی ام ایمنؓ موجود ہیں اور مجاہدوں و غازیوں کا دل بڑھا رہی ہیں، حوصلہ دلا رہی ہیں۔ اُمنگ پیدا کر رہی ہیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہی ہیں، بیماروں کی تیمارداری میں مصروف ہیں۔ اسی جنگ میں ان کا بیٹا ایمن راہِ اسلام میں شہید ہو جاتا ہے۔ اس حادثے سے ام ایمنؓ کا دل نہیں ڈوبتا۔ آنکھیں نہیں روتیں، ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اللہ اور رسولؐ سے محبت بڑھ جاتی ہے۔

علیؓ خدیجہؓ کے گھر میں

قلم کا مسافر بہک گیا ——— لیکن داستانِ جمیل چھوڑی بھی نہیں جا سکتی۔ اب پھر جہاں سے چلے تھے وہیں واپس چلیئے! خدیجہؓ زندہ ہیں اور اپنے فرشتہ صفت شوہر کی خدمت

میں دل و جان سے مصروف ہیں۔ آپؐ کی زندگی اطمینان اور آسودگی کے ساتھ بسر ہو رہی ہے کہ آپؐ کو اپنے محسن شریف طینت اور بے انتہا محبت کرنے والے چچا ابو طالب کا خیال آتا ہے۔ کہ ان کی مالی حالت سقیم تھی، آمدنی کے وسائل محدود تھے دل میں جذبہ پیدا ہوا کہ پریشان حال اور آشفتہ روزگار چچا کی مدد کریں، نظر چچازاد بھائی علیؓ پر پڑی۔

یالائے سرشس زہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

آپؐ نے ابو طالب سے علیؓ کو مانگ لیا۔ یہ میرا بھائی ہے، مجھے دے دیجئے آپؐ کا بار ذرا ہلکا ہو جائے گا۔ اس جوہر قابل کی پرورش اور نگہداشت میں کروں گا۔ ابو طالب کو کیا تامل ہو سکتا تھا۔ علیؓ کسی غیر کے پاس تو نہیں اپنے ہی لخت جگر اور نور نظر محمدؐ کے پاس جا رہا تھا۔ فوراً راضی ہو گئے۔ رضامندی کی دیر تھی کہ علیؓ اپنے گھر سے اُٹھے اور محمد و خدیجہؓ کے گھر میں آگئے اور یہاں آکر انہیں ایسی آسودگی اور اپنایت ملی کہ کبھی بھولے سے بھی خیال نہ آیا کہ اپنے گھر سے، دوسرے کے گھر میں آگئے ہیں اور یہ گھر دوسرا گھر تھا کب ؟

ثوبیہ ابو طالب کی ایک باندی تھیں ثوبیہ نام تھا۔ دائی حلیمہ سے پہلے کچھ روز تک انہوں نے بھی آپؐ کو دودھ پلایا تھا۔ اطمینان اور آسودگی کی زندگی میں ثوبیہ بھی آپؐ کو یاد آئیں۔ اب حالات بدل چکے تھے اور بگڑ بھی چکے تھے۔ ثوبیہ بھی اب ابو طالب کی نہیں ابو لہب کی باندی تھیں۔ آپؐ برابر ان کی پرورش اور خدمت کرتے رہتے۔ ان سے مسلوک ہوتے رہتے ان کی خبر گیری کرتے رہتے۔ خدیجہؓ کو آپؐ نے آمادہ کیا کہ ثوبیہ کو خرید لیں تاکہ انہیں آزاد کر دیا جائے۔ خدیجہؓ نے ابو لہب سے ثوبیہ کو خریدنا چاہا۔ لیکن

اس نے فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر بھی جب تک مکہ میں آپؐ کا قیام رہا آپؐ برابر حسن سلوک سے پیش آتے رہے۔ پھر جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی تو بیہ کو یاد رکھا۔ یہاں سے وقتاً فوقتاً آپؐ ان کیلئے تحفے اور عطیئے بھیجا کرتے تھے۔

حلیمہ سعدیہ بادیہ کی زندگی محنت اور مشقت کی زندگی ہوتی ہے یہاں دکھ زیادہ ہوتا ہے، آرام کم، حلیمہ سعدیہ جو آپؐ کی دودھ پلائی ماں تھیں، اپنے گوشہ میں تنگی اور مفلسی کی زندگی بسر کر رہی تھیں، انہیں جو خبر ملی کہ میرا "بیٹا" آسودگی اور فراغت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ فوراً مکہ پہنچیں۔ آپؐ نے ان کی پیشوائی کی، بڑی گرم جوشی سے اپنے ہاں رکھا۔ خدیجہؓ سے سفارش کی کہ ان کی مدد کریں۔ وہ تو ایسے مواقع کی تلاش میں رہتی تھیں۔ انہیں جو معلوم ہوا کہ یہ دودھ پلائی ماں ہیں، آنکھیں فرش راہ کر دیں۔ خوب ان کی مدارت اور تواضع کی ایک اونٹ اور چالیس بکریاں تحفہ کے طور پر عطا کیں۔ جب وہ رخصت ہونے لگیں تو آپؐ نے کبھی کبھی آنے کو فرمایا۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ آئیں، آپؐ نے انہیں دیکھا تو بے ساختہ پکار اُٹھے۔

"میری ماں، میری"

پھر اپنی ردائے مبارک بچھائی اور حلیمہؓ کو اس پر بٹھا کر پوری یکسوئی کے ساتھ ان سے باتیں کرنے لگے، حال پوچھنے لگے، خیریت دریافت کرنے لگے۔ بڑے تکلف و محبت سے پیش آئے۔ ان کی ضرورت پوری کی اور رخصت کر دیا۔

محمدؐ اور خدیجہؓ یہ تھی محمدؐ کی خانگی زندگی، نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے بھی ان کی زندگی کے ہر گوشہ پر ایک نظر ڈالی جائے تو وہ ایک نیکوکار، خوش خصال، خوش اطوار، پاک نہاد، مرد صالح

نظر آئیں گے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک جس پہلو پر بھی نظر ڈالیئے، خوبی اور نیکی کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا۔ حالات جب تک ناسازگار رہے، مجبوری تھی۔ لیکن جیسے ہی ذرا سازگار ہوئے جود و عطا اور بذل و سخا کا دروازہ کھل گیا۔ اب کون تھا؟ جس کی حاجت روائی آپؐ نہ کرتے ہوں؟ جس کی امداد و اعانت سے آپؐ نے گریز کیا ہو؟ پریشان حال اور پریشان روزگار لوگ آتے تھے اور دامن مراد بھر کر واپس جاتے تھے جس نے جو مانگا وہ پایا اور جو کچھ نہ مانگ سکا اس کی دست گیری اور نصرت بھی آپؐ نے جی بھر کے کی۔

خدیجہؓ کا ایثار اور داد و دہش، سخاوت اور جود و عطا کی اس زندگی میں آپؐ کی رفیقہ حیات خدیجہؓ مال و جان سے آپؐ کی شریک تھیں وہ آپؐ کی نظر پہنچانتی تھیں اور قبل اس کے کہ آپؐ کے لب مبارک جنبش کریں، وہ سمجھ لیتی تھیں، آپؐ اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں، پھر وہ خود پیکر جود و سخا بن جاتی تھیں۔

آنحضرتؐ اور خدیجہؓ کی خانگی زندگی محمدؐ اور خدیجہؓ کی اہلی اور خانگی زندگی بڑی خوش گوار، پرسکون اور مسرت انگیز تھی جس میں نہ بدمزگی تھی، نہ تلخی، تاریخ اس طرح کی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔

نزول وحی آپؐ کا معمول تھا کہ سال کے چند مہینے آبادی سے دور کسی تنہا مقام پر یادِ الٰہی میں بسر کیا کرتے تھے۔ اس مرتبہ بھی حسب معمول غارِ حرا میں آپؐ مصروف عبادت تھے کہ دفعتاً جبرائیلؑ کے واسطے سے آپؐ پر نزولِ وحی ہوا۔ آپؐ نے اپنے روبرو ایک ایسا پیکر دیکھا جو نہ انسان سے مشابہت رکھتا ہے نہ فکر و خیال کی دنیا میں اس کا تصور قائم ہو سکتا تھا۔ جبرائیل نے چند آیات آپؐ کو سکھائیں۔ اس کے بعد نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ویران اور سنسان مقام، ہو کا عالم ہر طرف سناٹا چھایا ہوا۔ نہ کوئی انیس نہ سمیر، نہ معین، نہ نصیر، ایسے عالم میں ایک تن تنہا انسان کے

سامنے جبرائیل امین کا نمودار ہونا کچھ کم دہشت انگیز نہ تھا۔ اس واقعہ نے آپؐ پر ہیبت طاری کر دی۔ پریشان و مضطرب گھر تشریف لائے۔ خدیجہؓ سراپا انتظار بنی کھڑی تھیں۔ انہوں نے شوہر پر ایک نظر ڈالی۔ اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا:۔

ابوالقاسم!

آپؐ کہاں تشریف لے گئے تھے، انتظار سے
تنگ آکر آپؐ کی تلاش میں لوگ دوڑائے۔ انہوں
نے سارا مکہ چھان مارا۔ لیکن آپؐ کہیں نہ ملے۔

آپؐ نے سارا ماجرا بیان کر دیا، جو غارِ حرا میں گزرا تھا۔ خدیجہؓ نے دہشت و ہیبت کے آثار پہلے ہی چہرہ مبارک پر دیکھ لیے تھے۔ ان باتوں سے انہوں نے صورتِ حال کا پورا اندازہ لگا لیا تھا اور تسکین و تسلی دیتے ہوئے کہا۔

مبارک ہو اے ابنِ عم! امت گھبرایئے، ثابت قدم
رہیے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خدیجہؓ کی
جان ہے۔ اس اُمّت کے نبی منتظر آپؐ ہی ہیں
صرف آپؐ۔

پھر کہنے لگیں

خدا کی قسم، آپؐ کا رواں بھی میلا نہ ہوگا۔ آپؐ عزیزوں سے حُسنِ سلوک کا برتاؤ کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں، غریبوں اور بے کسوں کی مدد کرتے ہیں، ضرورتمندوں کی حاجت رفع کرتے ہیں، مفلس اور بے سہارا لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، ان کے کام آتے ہیں، خدا آپؐ کو کبھی اور کسی حالت میں رسوا نہ کرے گا۔

ورقہ بن نوفل کے پاس

اس گفتگو کے بعد وہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور انہیں داستان کہہ سنائی۔ وہ

ایک عیسائی عالم تھے۔ انجیل اور توریت پر انہیں غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ اور سابق الہامی کتابوں کی تعلیمات اور گذشتہ انبیاء کے حالات و واقعات سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے خدیجہؓ کی باتیں غور سے سُنیں، پھر بہت سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

اگر تمہارے نزدیک میں سچا آدمی ہوں تو جان لو! واقعہ یہ ہے کہ تمہارے شوہر کے پاس وہ ناموسِ اکبر ——— جبرائیل ——— آیا تھا جو اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی آچکا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ وہ محمدؐ نبوت کے مرتبہ پر سرفراز ہوئے ہیں۔

خدیجہؓ نے واقعہ کی یہ باتیں سنیں، یہ باتیں سنکر خدیجہؓ کا ایمان اور پختہ ہوگیا۔ وہ چپ چاپ اپنے گھر واپس آگئیں۔ اور یہاں آکر آپؐ سے ورقہ کی باتیں دہرادیں ان باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین ہوئی اور وہ خاموش ہوگئے۔

خدیجہؓ کا ایمان

اور اس واقعے کے بعد خدیجہؓ نے جس پامردی، جرأت، سعادت، استقلال اور عظمت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت اور ہمدردی کا ثبوت دیا۔ اس کی مثال اس کارگاہ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ کفارِ مکہ نے جب کبھی آپؐ کو جھٹلایا۔ آپ کے ساتھ تمسخر اور استہزا کا برتاؤ کیا۔ آپؐ کو ہدفِ ستم بنایا اس وقت حضرت خدیجہؓ آپؐ کی دل جوئی اور دل دہی کرتی تھیں۔ آپؐ کی رفاقت اور ہمدردی میں سرگرداں ہوجاتیں۔ خدا کی رحمتیں ہوں اس پاکیزہ ترہستی ——— خدیجہؓ ——— پر جس نے اسلام اور داعی اسلام کی ہر ممکن خدمت کو اپنی زندگی کا شعار بنالیا تھا۔

خدا کا سلام خدیجہؓ کو

اور ہم حدیث کی کتابوں میں یہ جو پڑھتے ہیں کہ آپؐ نے جبرائیلؑ کے واسطے سے خدا کا سلام خدیجہؓ تک پہنچایا[1]۔ تو کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ آغازِ اسلام میں خدیجہؓ نے اسلام اور داعیٔ اسلام کی جو گراں بہا خدمات انجام دیئے وہ اسی انعام اور سرفرازی کی مستحق تھیں اور الحمدللہ وہ اس انعام سے سرفراز ہوئیں۔

---

[1] یہ حدیث صحیح مسلم اور بخاری میں موجود ہے۔ رئیس احمد جعفری

۵

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد

خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے بطن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ اولادیں ہوئیں ۲ بیٹے اور ۴ بیٹیاں۔ تفصیل یہ ہے۔

۱ قاسم رضؓ
۲ عبداللہ رضؓ
۳ زینب رضؓ
۴ رقیہ رضؓ
۵ ام کلثوم رضؓ
۶ فاطمۃ الزہرا رضؓ

نہ صرف تمام مسلمان مورخین بلکہ مستشرقین یورپ کا ایک بڑا گروہ متفق ہے کہ آنحضرتؐ کی اولاد اتنی ہی تھی۔ بایں ہمہ کچھ لوگوں کو آپؐ کی صاحبزادیوں اور صاحبزادوں کے بارے میں، اس تعداد سے اختلاف ہے اور وہ اس سلسلے میں لاء طائل بحثیں کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں۔ کہ حضرت فاطمہ رضؓ کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی اولاد کے وجود سے انکار کرتے اور باطل کا ساتھ دیتے ہیں۔

فرنچ مستشرق لامنس کے افکار

مستشرقین یورپ میں فرنچ مستشرق لامنس مخصوص ذہنیت اور مخصوص خیالات کا آدمی ہے۔ اس نے آنحضرتؐ کی صاحبزادیوں پر ایک کتاب

فرنچ میں سپردِ قلم کی۔ لامنس کا دعویٰ ہے۔ کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ تمام تر مستند تاریخی حقائق پر مبنی ہے۔ اور یہ کہ اس نے اپنی کتاب کی ترتیب و تدوین میں مصادرِ کثیرہ اور مستند ماخذ پیشِ نظر رکھے ہیں، جن کی صحت اور پایۂ استنباط کے بارے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس تمام ادعا کے بعد کتاب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہو جائے گا، کہ اس نے جو اسلوب بیان اختیار کیا ہے۔ وہ اپنے عجب و طرفگی میں اپنی مثال آپ ہے۔ کہیں تو اس نے رسول اللہ صلی علیہ و آلہ وسلم کی بعض صاحبزادیوں کے وجود سے انکار کی پالیسی اختیار کی ہے۔ کہیں ان کا ذکر کیا ہے، تو بھی نہایت گستاخانہ اور تکلف دہ انداز میں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ لامنس کی کتاب دروغ فروغ کا نہایت ہی گھناؤنا مجموعہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ لامنس کی دریدہ دہنی اور افترا پردازی کو بے نقاب کریں۔ اس کتاب پر خصوصاً توجہ کی ضرورت اس لیے بھی ہے۔ کہ جلالت موضوع کے لحاظ سے عربی اور فرنگی زباتوں میں اسے انفرادیت کا درجہ حاصل ہے۔ اس میں حضرت فاطمہؑ اور ان کی بہنوں کا ذکر اس نے اپنے مخصوص دل آزار، اور گستاخانہ اسلوب میں کیا ہے اور آنحضرتؐ کی صاحبزادیوں کی خانگی زندگی ایسے پیرائے میں پیش کی ہے، جس کی مثال کسی مسلمان بلکہ غیر مسلم مؤرخ تک کے یہاں نہیں مل سکتی۔

ایک جگہ وہ لکھتا ہے۔

لامنس کی دریدہ دہنی ۔ محمدؐ کو اس بات پر رات دن اپنے افرادِ قوم کے طعنے سننا پڑتے تھے۔ کہ وہ لاولد ہیں۔ لہٰذا انہیں بیٹوں کی بڑی تمنا تھی یہ لوگ علانیہ کہتے تھے کہ محمدؐ ابتر ہیں، ان کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا، جس سے ان کی نسل چل سکتی۔

بلاشبہ کفارِ عرب آنحضرتؐ کو یہ طعنہ دیتے تھے۔ لیکن قرآن نے اس طعنہ کا

کا جواب بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے دیا ہے، وہ کہتا ہے۔

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ (یعنی یہ کہنے والا خود مقطوع النسل ہے اور کون کہہ سکتا ہے۔ کہ قرآن کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ آج محمدؐ کی نسل اور محمدؐ کی آل چپہ چپہ پر موجود ہے۔ لیکن نشانِ محمدؐ مٹ گئے، ان کی آل اولاد کا نشان تک باقی نہ رہا۔ کس میں اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ اپنا نسب دشمنانِ محمدؐ سے ملا سکے۔

کفارِ مکہ کہا کرتے تھے، محمدؐ کا کوئی بھائی ہے نہ بیٹا۔ ان کی وفات کے بعد کوئی ان کا نام لیوا باقی نہ رہے گا۔ اس قول کو پیشِ نظر رکھ کر لامنس کہتا ہے۔

> شاید یہ وہ اسباب ہیں جنہیں پیشِ نظر رکھ کر اصحاب سیر و تاریخ نے اپنی کتابوں میں محمدؐ کے کئی بیٹے اور بیٹیوں مثلاً طیّب، عبدالعزیٰ اور عبد مناف کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے "کہ یہ دعویٰ جتنا آسان ہے، اس کا ثبوت اتنا ہی مشکل ہے" اس موقع پر یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیئے، کہ ان ناموں کی ہستی کے بارے میں خود اصحابِ سیر کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ [1]

آپؐ کی اولاد امجاد

لامنس نے اس تحریر کے ذریعہ اپنے قارئین کو مبتلائے فریب کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ کا ہر طالبِ علم اس حقیقت کا شناسا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ تیسرے بیٹے یعنی ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہؓ سے تھے۔ باقی ہر اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھی۔ صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ تھیں۔ ان سے چھوٹی رقیہؓ، ان سے چھوٹی اُمّ کلثوم ان سے چھوٹی فاطمہؓ، بیٹوں میں سب سے بڑے قاسم تھے۔ چنانچہ آپ کی کنیت ابوالقاسم اسی مناسبت سے تھی۔ منصب

---

[1] فاطمہؓ و بنات محمدؐ از لامنس صفحہ ۱۷

رسالت پر فائز ہونے سے پہلے مکّہ میں ان کی ولادت ہوئی اور صرف دو سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپؐ کی اولاد میں سب سے پہلے ان کی ہی وفات ہوئی۔ ان کے بعد چار بیٹیاں ہوئیں جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ آغازِ اسلام کے بعد ایک اور لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام عبداللہ تھا۔ انہی کو طیّب و طاہر بھی کہتے ہیں[۲] یہ تمام اولادیں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں۔ قاسم کے بعد جب عبداللہ کی وفات بھی ہو گئی تو عاص بن وائل سہمی نے از راہ طنز کہا۔

"محمدؐ کا لڑکا چل بسا، لہٰذا وہ ابتر ہیں!"

حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آپؐ کی آخری اولاد جو ہوئی، اس کا نام عبداللہ تھا۔ ۷ھ میں حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے ابراہیم تولد ہوئے۔ لیکن ۱۷ ماہ سے زیادہ وہ بھی نہ جیئے اور ۱۰ھ میں ان کی وفات بھی ہو گئی۔

لامنس کا دروغ بے فروغ

پھر لامنس آنحضرت کی صاحبزادیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

مؤرخین عرب بیان کرتے ہیں۔ کہ محمدؐ کی دو بیٹیاں رقیہؓ اور اُمّ کلثوم کوئی اولاد چھوڑے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ اُمّ کلثوم کنیّت نہ تھی، بلکہ نام تھا اُمّ کلثوم اور رقیہؓ کی شادی ابو لہب کے دو بیٹوں سے ہوئی تھی ابو لہب محمدؐ کا چچا تھا۔

۲۔ لامنس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں کا ذکر کرتے ہوئے ایسی ٹھوکر کھائی ہے۔ کہ حیرت ہوتی ہے اس نے غایت درجہ عقل مندی سے کام لے کر یہ سمجھ لیا کہ طیّب و طاہر دو مختلف بیٹوں کے الگ الگ نام ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں ایک ہی بیٹے کے دو نام ہیں۔ اسی سے اس نے مغالطہ کھایا اور

باقی صفحہ ۵۵ پر دیکھیں

اس کے دو بیٹوں نے اپنی بیویوں طلاق دے دی اس کے بعد، محمدؐ نے رقیہؓ کی شادی عثمانؓ بن عفان سے کر دی پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو دوسری بیٹی ام کلثومؓ کو ان سے بیاہ دیا۔ مؤرخین عرب کا یہ قول بھی ہے کہ رقیہؓ پہلی ہجرت میں جو حبش کی جانب ہوئی تھی شریک تھیں۔ لیکن مدینہ والی ہجرت کے بعد محمدؐ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ واپس آنے کے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہیں۔ ٹھیک اسی روز جب مسلمان بدر کا معرکہ سر کر کے فاتح و غانم کی حیثیت سے مدینہ میں داخل ہو رہے تھے، ان کی وفات ہو گئی۔

سیرت کی قدیم کتابوں میں ام کلثومؓ کا نام صرف ایک بار آیا ہے، لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے۔ کہ نہ رقیہؓ کا کوئی وجود تھا نہ ام کلثومؓ کا یہ سب اصحاب سیر کی خیال آرائیاں ہیں۔ انہوں نے یہ نام اس لئے ایجاد کر لئے ہیں کہ محمدؐ کی اولاد کی تعداد میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کر دیا جائے۔

اسی بنیاد پر مؤرخین اسلام پر اعتراض جڑ دیا۔ کہ انہوں نے آنحضرت کی اولاد کی تعداد خواہ مخواہ بڑھا چڑھا کر دکھائی ہے۔ لامنس کا یہ اعتراض خبث، تعصب اور بدنیتی پر مبنی ہے۔ وہ حقیقتِ حال سے اچھی طرح واقف ہے اس نے اپنے قارئین کو مغالطہ میں مبتلا کرنے کے لئے یہ جھوٹ بولا ہے، لامنس پر بدنیتی کا الزام ہم اس لئے لگا رہے ہیں کہ ایسی فاش غلطی جو اس سے سرزد ہوئی کسی طفل مکتب سے بھی سرزد نہیں ہو سکتی نہ کہ ایسے شخص سے جو خود بہت بڑا مورخ ہے۔

۳۔ بعض راویتوں میں ۱۸ ماہ آیا ہے۔

لامنس کا ایک اور افترا

حضرت عثمانؓ کا لقب ذوالنورین اس وجہ سے ہے، کہ ان کی شادی یکے بعد دیگرے آنحضرتؐ کی دو صاحبزادیوں سے ہوئی تھی۔ جنہیں از راہ عقیدت نور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لامنس کی جدت پسند طبیعت ذوالنورین کی یوں توجیہ کرتی ہے!

> عربوں کا معمول تھا۔ کہ وہ اپنے ناموں کے شروع میں ذو اور ذو وغیرہ کے الفاظ بکثرت استعمال کیا کرتے تھے چنانچہ ان لوگوں کے لقب، بالعموم اسی طرح کے ہوتے تھے۔ مثلاً ذوالدین یعنی دو ہاتھوں والا، ذوالید جنہیں یعنی دو چہروں والا، ذات النطاقین، دو پیٹوں والا، چنانچہ عثمانؓ کا لقب بھی اسی طرح ذوالنورین تھا۔ اس سے یہ بات نہیں ثابت کی جاسکتی ہے کہ محمدؐ کی دو بیٹیاں ان کے نکاح میں آئی تھیں۔ عین ممکن ہے۔ کہ یہ لقب انہیں بہت پہلے حاصل ہو گیا ہو۔[1]

لامنس نے حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا وجود فرضی ثابت کرنے کی جو ناکام جدوجہد کی ہے وہ قابل افسوس بھی ہے اور موجب عبرت بھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعصب انسان کو واقعی اندھا کر دیتا ہے، جن اصحاب سیر کی دیانت کا یہ عالم ہے کہ حدیث کے راویوں پر جرح کرنے سے نہیں چوکتے اور کھوٹا کھرا الگ کر کے دکھلا دیتے ہیں، ان پر اتنا بڑا اتہام واقعی کوئی مستشرق ہی لگا سکتا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم!
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ!

---

[1] فاطمہؓ بنات محمدؐ۔ لامنس

۶

حضرت زینب رضؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا ذکر لامنس ان الفاظ میں کرتا ہے۔

یہ بات انتہا حیرت اور تعجب کی ہے۔ کہ زینبؓ کی اولاد کا نہ صرف عرب مورخین بلکہ دوسرے مسلمان مورخین بھی ذکر نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ زینبؓ کی اولاد کا نام و نشان بھی کسی کو نہیں معلوم، اس سلسلے میں ایک اور حیرت افزا بات یہ ہے۔ "کہ زینبؓ کے والد مکہ سے مدینہ ہجرت کر جاتے ہیں۔ لیکن اپنی بیٹی کو مکہ ہی میں چھوڑ جاتے ہیں۔ کہ کفار اور مشرکین ان کو جی بھر کے ستائیں۔

مشہور مورخ یعقوبی لکھتا ہے۔

زینبؓ اپنے شوہر ابوالعاصؓ کے پاس مکے میں مقیم رہیں۔ یہ ابوالعاص زینبؓ کے خالہ زاد بھائی بھی ہوتے تھے۔ ان کی والدہ ہالہ بنتؓ خویلد خدیجہؓ کی سگی ہمشیرہ تھیں۔ لامنس ان واقعات کو پیش نظر رکھنے کے بعد، اس نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ کہ زینبؓ نے اسے گوارا نہ کیا، کہ اپنے شوہر سے قطع تعلق کریں، انہوں نے اپنے والد کی مرضی کے خلاف مکے میں قیام رکھا اور ہجرت کے بعد اپنے شوہر کے گھر میں رہنے کو ہجرت

کے مقابلے میں زیادہ پسند کیا۔ تاریخ طبری بھی اس کی تائید
کرتی ہے۔ چنانچہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابوالعاص رضؓ کفر کی
حالت میں بدستور شوہر کی حیثیت سے زینب رضؓ کے پاس
رہے اور فتح مکّہ سے کچھ پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا۔[۱]

لامنس کے غلط نتائج

لامنس نے ثابت شدہ حقائق کو توڑ مروڑ کر نہایت غلط نتائج نکالنے کی ناروا اور افسوسناک جسارت کی ہے۔
حقیقت امر یہ ہے، کہ حضرت زینب رضؓ کو اپنے شوہر ابوالعاص سے ترک تعلق کرنے کی سرے سے کوئی وجہ تھی ہی نہیں۔ کیونکہ وہ ان سے بے انتہا محبّت کرتے تھے۔ مشرکین کے مقابلے میں ہمیشہ بیوی کے لئے سینہ سپر رہے۔ انہیں کسی قسم کا گزند نہ پہنچنے دیا۔ جو برتاؤ ابوالعاص رضؓ نے اپنی رفیقۂ حیات، زینب رضؓ کے ساتھ ملحوظ رکھا اگر کفارِ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے، اسی طرح کا برتاؤ کرتے تو مکّے سے مدینے کی طرف ہجرت کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی اور مکّہ ہی میں تبلیغ اسلام کا فریضہ حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا جاتا۔ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیئے! کہ زینب رضؓ آنحضرتؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی نبوّت کے دعوے سے پہلے ہی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص رضؓ بن ربیع سے ہوئی تھی۔ دونوں میاں بیوی محبّت سے رہتے تھے۔

ابوالعاص رضؓ کی گرفتاری اور رہائی

جنگ بدر میں ابوالعاص رضؓ بھی قید ہو گئے۔ قیدیوں کی رہائی کے سلسلہ میں جب فدیہ کا سوال پیدا ہوا تھا تو حضرت زینب رضؓ نے جو کچھ پاس تھا بھیج دیا۔ ان کے بھیجے ہوئے مال میں ایک ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضؓ نے شادی کے موقع پر بطور جہیز کے اپنی بیٹی کو مرحمت فرمایا تھا۔ آنحضرتؐ کی نظر جب اس ہار پر پڑی تو ارشاد فرمایا۔ اگر مناسب سمجھو تو قیدی کو رہا کر دو! اور زینب رضؓ کو اپنی ماں کی یادگار واپس کر دو! بھلا کسے مجال دم زدن تھی۔ فوراً واپس کر دیا۔

---

[۱] البسطری ج ۳ ص ۲۳۳

گیا۔ اور ابوالعاصؓ کو رہائی مل گئی۔ ابو لعاصؓ مجبوری کے عالم میں شریکِ جنگ ہوئے تھے۔ ورنہ آنحضرتؐ کا جہاں تک تعلق تھا ان کے دل میں نہ صرف یہ کہ آپؐ کے خلاف کوئی کدورت نہ تھی بلکہ وہ آپؐ کی بے انتہا عزت و تکریم کرتے تھے۔ مکّہ میں جب مسلمانوں کے خلاف تحریک پیدا ہوئی اور کفار نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کا آغاز کیا تو انہوں نے ابوالعاص کو ترغیب دی۔ کہ اپنی بیوی زینبؓ کو طلاق دے دیں۔ لیکن انہوں نے اس تجویز کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

ابوالعاصؓ سے رہائی کی شرط

مسلمانوں کی مرضی سے آپ نے ابوالعاصؓ کو قید سے رہا تو کر دیا۔ لیکن آپؐ نے ان سے یہ وعدہ لیا تھا۔ کہ مکّہ واپس جاکر زینبؓ کو فوراً مدینہ بھیج دیں گے۔ انہوں نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا اور مکّہ پہنچنے کے بعد زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ حضرت زینبؓ مدینہ میں اپنے والد کے پاس مقیم تھیں اور ابوالعاصؓ حسبِ معمول مکّہ میں قیام پذیر، اور اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے، چونکہ مسلمہ اور مشرک کے مابین نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے زینبؓ کا نکاح ابوالعاصؓ سے فسخ کر دیا۔

ابوالعاصؓ مدینہ میں

مکّہ فتح ہونے کے کچھ مدّت پہلے، تجارت کے سلسلے میں ابوالعاصؓ شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ واپسی پر مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے لشکر سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ مسلمانوں نے اس قافلہ کے اونٹوں اور ساز و سامان پر قبضہ کر لیا۔ ابوالعاصؓ مسلمانوں کے ہاتھ نہ آئے چپ چاپ مدینہ پہنچے اور اپنی بیوی زینبؓ کے پاس پناہ گزیں ہوگئے۔ زینبؓ نے بلا کسی تامل کے پناہ دے دی۔ نمازِ صبح سے جب آنحضرتؐ نے قراءت کر لی تو زینبؓ نے یہ آواز بلند کہا۔

لوگو! میں نے ابوالعاصؓ بن ربیع کو پناہ دی ہے ——————!"

یہ آواز جب آنحضرتؐ کے سمع مبارک تک پہنچی تو آپؐ حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے

اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں نے جو کچھ سُنا ہے کیا تم نے بھی سن لیا"؟

لوگوں نے عرض کیا!

سن لیا یا رسول اللہ!

آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

خدا کی قسم جس کی قدرت میں میری زندگی ہے۔ جو کچھ تم نے سنا ہے مجھے ابھی معلوم ہوا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مسلمانوں میں سے ہر شخص کو خواہ وہ کسی درجے کا بھی کیوں نہ ہو کسی شخص کو پناہ دینے کا حق حاصل ہے

یہ ارشاد فرمانے کے بعد آپؐ حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا۔

بیٹی! اپنے مہمان کی خوب جی بھر کے مدارات کرو! لیکن اس کا خیال رہے کہ وہ تمہارے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔ کیونکہ اب تم دونوں میاں بیوی نہیں!

حضرت زینبؓ نے جواب دیا۔

"وہ اپنا مال واپس لینے آئے ہیں۔ جو چھین لیا گیا ہے"۔

یہ سُن کر آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو جمع کیا جنہوں نے ابوالعاصؓ کا مال چھینا تھا۔ فرمایا۔

ہم سے ابوالعاص کے جو تعلقات ہیں، وہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہیں! تم نے اس کا مال چھین لیا ہے اور اللہ تعالےٰ نے ایسا مال تمہارے لئے جائز قرار دیا ہے۔ لیکن میری خواہش ہے کہ تم ابوالعاصؓ کو زیر بار احسان کر لو! اس کا مال اسے واپس کر دو! لیکن اگر تم ایسا نہ کرنا چاہو، تو میں تم پر جبر نہیں کر سکتا، تمہیں اس کا پورا پورا حق ہے!

لوگوں نے ایک زبان ہو کر عرض کیا ——————— آپؐ کی خوشی، ہماری خوشی ہے۔ ابوالعاص کا سارا مال حاضر ہے۔

ابوالعاصؓ کا قبول اسلام

اس گفتگو کے بعد "ابوالعاص" کا سارا مال لوٹا ہوا واپس کر دیا گیا۔ وہ اسے لے کر مکہ آئے۔ اور جن جن لوگوں کی امانتیں ان کے پاس تھیں۔ واپس کر دیں پھر دریافت کیا۔

اب تو کسی شخص کا کچھ حساب میرے ذمہ نہیں ؟

لوگوں نے جواب دیا۔

نہیں اب کوئی چیز آپ کے پاس نہیں ہے۔

ابوالعاصؓ نے کہا!

تو سن لو میں مسلمان ہو چکا ہوں، میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

ابوالعاصؓ اور زینبؓ کی اولاد

اس کے بعد ابوالعاصؓ مکہ کی اقامت ترک کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں مدینے واپس آ گئے۔ آپؐ نے از سر نو حضرت زینبؓ کا نکاح ان سے کر دیا۔ ابوالعاصؓ کے، زینبؓ کے بطن سے دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک لڑکا جس کا نام علیؓ تھا اور ایک لڑکی "جسے امامہؓ کہتے تھے علیؓ کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا۔ امامہؓ جوان ہوئیں اور بعد میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے حضرت فاطمہؓ کے بعد ان سے شادی کر لی۔

امامہؓ سے آپؐ کی محبت

آنحضرتؐ امامہؓ سے بہت محبت اور پیار کا برتاؤ کرتے تھے۔ نماز پڑھنے میں جب کھڑے ہوتے تو اس ننھی بچی کو اپنے دوش مبارک پر بٹھا لیتے۔ رکوع کرتے وقت کندھے سے اتار دیتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پھر کندھے پر بٹھا لیتے۔

لامنس نے یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ حضرت زینبؓ کے بطن سے ایک لڑکا تھا۔ اور ایک لڑکی جس کا نام ہالہ تھا۔ علی طفلی ہی میں فوت ہو گئے۔ لیکن ہالہؓ اپنے والدین کے انتقال کے

بعد کافی عرصے تک زندہ رہیں[1] لامنس کو حیرت ہے۔ "کہ ابوالعاصؓ کی دولت ہالہ کو نہیں ملی، بلکہ ان کے والد کے چچازاد بھائی زبیر بن عوام کے قبضہ میں چلی گئی۔ اس نے یہ الزام بھی عائد کیا ہے" کہ "لوگوں نے ہالہؓ کی حق تلفی پر چپ سادھ لی۔ باپ کا مال بیٹی کے بجائے دوسرے کے قبضے اور تصرف میں جاتے دیکھا تو۔ مگر کسی نے صدائے احتجاج بلند نہ کی!"

غلط فہمی یا غلط بیانی

لیکن سوال یہ ہے۔ کہ امامہؓ کی ثروت کا جو افسانہ لامنس نے بیان کیا۔ اس کی بنیاد کیا ہے؟ کتب سیرت میں کہیں بھی تفصیل نہیں ملتی۔ کہ ابوالعاص نے کوئی غیر معمولی دولت چھوڑی تھی۔ اگر چھوڑی ہوتی تو وہ ضرور امامہؓ کو ملتی۔ کوئی وجہ نہ تھی، کہ ان کی حق تلفی کر کے، دوسروں کے جیب و دامن بھرے جاتے!

لامنس اگر کسی ضعیف قول یا کمزور روایت کا سہارا لے کر، بات کا بتنگڑ بناتا ہے تو بیچارہ اپنی عادت سے مجبور ہے۔

مستقضائے طبیعتش ایں است!

---

[1] حضرت زینبؓ کی صاحبزادی کا نام اکثر مورخین نے امامہؓ لکھا ہے، بعض نے ہالہ بھی تحریر کیا ہے۔ لامنس نے امامہؓ کے بجائے ہالہؓ ہی کا نام اختیار کیا ہے

۷

حضرت فاطمہؓ بنتِ محمدؐ

حضرت فاطمہ رضؓ کا وجود لامنس شاید بادلِ ناخواستہ تسلیم کرتا ہے، اور اقرار کرتا ہے کہ بیشک فاطمہ رضؓ محمدؐ کی بیٹی تھیں۔ خدیجہ رضؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ لیکن اس اقرار و تسلیم کے ساتھ ساتھ وہ اس بات پر حیرت کا اظہار کرتا ہے کہ مورخینِ اسلام نے فاطمہ رضؓ کے حالات و سوانح کے سلسلے میں بہت زیادہ تغافل سے کام لیا ہے۔ اور اپنی کتابوں میں ان کے حالات اتنے کم لکھے ہیں جو نہ ہونے کے برابر ہیں۔

لامنس کہتا ہے کہ:۔

"فاطمہ رضؓ کی شخصیت شروع میں یکسر نظر انداز کر دی گئی البتہ بعد شیعہ فرقہ اُٹھا تو علی رضؓ کے ساتھ ساتھ فاطمہ رضؓ کا چرچا بھی ہونے لگا۔

مُہمل اور لایعنی اعتراض

لامنس کے اعتراضات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مورخین اور اصحابِ سیرت نے حضرت فاطمہؓ اور ان کی بہنوں کے ذکر کے سلسلے میں یقیناً ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے۔ لیکن یہ فعل غفلت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ مورخین اور اصحابِ سیر نے جس چیز پر زیادہ سے زیادہ اپنی توجہ مبذول رکھی وہ اسلام اور داعی اسلام کی تاریخ تھی۔ ظاہر ہے

کہ رسالت اور مذہب کو آپؐ کی صاحبزادیوں سے مخصوص طور پر کوئی سروکار نہیں ہوسکتا۔ یہ گھر میں بیٹھنے والی خواتین تھیں۔ کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئیں۔ معرکۂ کارزار میں کوئی حصّہ لیا۔ آنحضرتؐ نے جو شریعت جاری کی تھی، جو نظام سیاست قائم کیا تھا۔ اس سلسلے میں بھی بناتِ رسولؐ کا کوئی ایسا کام نہیں تھا جس کا تذکرہ مورخین کے لیے ناگزیر ہوتا۔ کہ وہ آپؐ کی صاحبزادیوں کے سوانح حیات پر ضبط و تفصیل کے ساتھ قلم اٹھاتے۔ لیکن جہاں ضرورت محسوس ہوئی، وہاں مورخین اور اصحاب سیر نے حضرت فاطمہؓ کا ذکر ضرور کیا ہے۔ انہوں نے جو روش اختیار کی ظاہر ہے وہ کسی عناد یا بغض پر مبنی نہ تھی۔ ایسا صرف اس لیے تھا، کہ تاریخی حقائق واقعات کے ساتھ پیش کیے جائیں۔

فاطمہؓ چھوٹی بیٹی تھیں یا بڑی

حضرت فاطمہؓ کی ولادت کے سلسلہ میں یورپ کے مستشرقین اور عرب کے مورخین مختلف الرائے ہیں۔ بعض انہیں رسول اللہؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی قرار دیتے ہیں، بعض اس کے برعکس، لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ آپؓ آنحضرتؐ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔

لامنس رقم طراز ہے۔

بعض اصحابِ سیر[1] نے فاطمہؓ کی ولادت کا ذکر اس لیے بعد میں کیا ہے۔ تاکہ یہ ثابت کر سکیں۔ کہ علیؓ بن ابی طالب نے ان سے شادی کی درخواست کی تو وہ زیادہ کم سن تھیں۔ اور یہ بات کسی طرح نظروں کے سامنے نہ آسکے" کہ ان کی شادی کافی دیر سے ہوئی"۔ اور عرصے تک کسی نے ان سے شادی کا خیال نہیں کیا۔ نہ جانے کیا

---

[1] لیکن لامنس نے یہ نہیں بتایا کہ ان اصحاب سیر کا نام کیا ہے؟

بات ہے! کسی نے اصل حقیقت پر غور کرنے کی کوشش نہیں کی۔

ایک تاریخی حقیقت

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔" اور اسے ہر مورخ تسلیم کرتا ہے۔ کہ حضرت زینب رضؓ اور حضرت رقیہ کی شادی حضرت فاطمہ رضؓ کے نکاح سے پہلے ہو چکی تھی۔ حضرت رقیہؓ کی شادی ابولہب کے بیٹے سے ہوئی تھی۔ اور ظاہر ہے۔ کہ یہ رشتہ آپؐ کے مرتبہ نبوت پر فائز ہونے سے پہلے ہوا تھا۔ اور دعویٰ نبوت کے بعد طلاق ہو گئی۔ اس جگہ یہ اشارہ ضروری ہے کہ غیر مسلم مرد سے مسلمان عورت کی شادی کی ممانعت، ہجرت کے بعد ہوئی اور ہجرت کے بعد ہی آیۂ تحریم مدینہ میں نازل ہوئی۔ لہذا یہ کوئی ایسی بات نہیں، جس پر لامنس کو تعجب ہے۔ جب آپؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو قریش آپؐ کی مخالفت پر اتر آئے۔ اور یہ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ مخالفین میں ابولہب پیش پیش تھا۔ اور اس کے لڑکے بھی باپ کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے۔ اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں۔ "کہ حضرت رقیہؓ کی شادی" اپنی بڑی بہن حضرت زینبؓ کی شادی سے پہلے ہو گئی تھی اور ان کے ابن عم اور شوہر نے حبشہ کی ہجرت سے پہلے انہیں طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد آپؐ نے ان کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ حضرت رقیہؓ نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کی، تو ان کے ساتھ ان کے شوہر عثمانؓ بھی تھے۔[1]

بت پرستوں سے" بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی پر لامنس کو تعجب ہے۔ گویا لامنس بہت بڑا موحد ہے۔ اور اسے اس واقعہ پر دکھ ہے۔ لیکن وہ اس

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۲ ـــــ سیرت ابنِ ہشام صفحہ ۱۲۱ ۲۰۸۰
مروج الذہب مسعودی صفحہ ۱۶۲ ـــــ مقریزی در باب بنات رسول اللہؐ

حقیقت کو فراموش کر گیا۔ کہ یہ شادی اسلام سے پہلے ہوئی تھی۔ آپؐ نے اسلام کی دعوت ابھی شروع نہیں کی تھی۔ نہ ابھی آیۂ تحریم نازل ہوئی تھی۔ باقی رہا ابنِ کلبی کا قول۔ کہ حضرت فاطمہؓ کی ولادت حضرت رقیہؓ سے پہلے ہوئی۔ تو یہ بات غلط ہے۔ دوسرے بڑے مورخین مثلاً مقریزی، ابن جوزی، مؤلف، تاریخ الخلیس، زہری اور ابن بکار نے بھی آپؐ کی صاحبزادیوں کی ترتیب ولادت کے سلسلے میں غلطی کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس امر پر سب کا اتفاق ہے۔ "کہ حضرت فاطمہؓ رسول اللہؐ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔

ایک اہم سوال کا تحقیقی جواب

علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں زینبؓ آنحضرتؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ ان کے بعد حضرت فاطمہؓ کی ولادت ہوئی۔ اس[1] کے علاوہ اگر کوئی اور قول ہے، تو وہ قابلِ التفات نہیں!

آخر حضرت فاطمہؓ کا سالِ ولادت کیا ہے؟ وہ کب پیدا ہوئیں؟ یہ ایک سوال ہے۔ جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

حیاتِ محمدؐ[2] کا مؤلف سنجر آپ کی صحیح تاریخ ولادت کے بارے میں صرف اتنا کہہ کر گذر گیا۔

> اصحاب سیر نے حضرت فاطمہؓ کی عمر ایسی کتابوں اور تفسیروں سے لی ہے، جن تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی۔ لامنس نے تمسخر اور استہزا کے پیرائے میں، اس بیان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:"
>
> یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایسے تذکروں پر بھروسہ کر لیا

---

[1] الاستیعاب صفحہ ۷۰۷ [2] حیات محمد از سنجر جلد ۱ صفحہ ۲۰۳

جائے! جن کا سرے سے وجود ہی نہ ہو۔

یہ صحیح ہے۔" کہ اصحاب تاریخ و سیر حضرت فاطمہؓ کے سن ولادت کے بارے میں متفق نہیں ہیں۔ لیکن ان کی ایک بہت بڑی جماعت نے یہ بات تسلیم کی ہے۔ کہ جس سال کعبہ ڈھا کر از سر نو تعمیر کیا گیا۔ اسی سال آپ کی ولادت ہوئی[1] یعقوبی کا قول ہے کہ نزول وحی کے بعد حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے، بعض دوسرے مورخین کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ سے عمر میں پانچ سال بڑی تھیں[2]۔

لامنس کا محاکمہ

مسعودی کا خیال ہے۔" کہ حضرت فاطمہؓ کی ولادت ہجرت سے آٹھ سال پہلے ہوئی اور ان کی شادی حضرت علیؓ سے اور آنحضرتؐ کا نکاح حضرت عائشہؓ سے ہجرت کے چھٹے سال ہوا اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لامنس کہتا ہے۔

> اگر مسعودی کی یہ بات تسلیم کر لی جائے، تو ماننا پڑے گا۔ کہ جب فاطمہؓ پیدا ہوئی تو خدیجہؓ زندگی کی ساٹھ منزلیں طے کر چکی تھیں۔ حالانکہ بدیہی بات ہے۔" کہ اس عمر میں عورت اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں مستند کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ وفات کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر پچپن سال کی تھی[3]

---

[1] طبری جلد ۳ ابن الجوزی

[2] تاریخ الخمیس جلد اوّل صفحہ ۳۱۳ —— یعقوبی جلد ۱۹ —— ابن حجر

[3] مقاتل الطالبین

حضرت فاطمہؓ کی ولادت کے سلسلے میں ان مستند بیانات کو ..... سامنے رکھتے ہوئے یہ بات ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی ولادت آپ کے نبوت پر فائز ہونے سے پہلے ہوئی تھی۔ سن بلوغ کو وہ ہجرت سے کم و بیش پانچ سال پہلے پہنچ گئی تھیں اور حضرت خدیجہؓ کی عمر پچیس سال ہو چکی تھی۔ مورخین کے نزدیک یہی بات صحیح تر ہے۔ اس کے علاوہ جو روایتیں ہیں، وہ قطعاً ناقابل اعتماد۔

قول فیصل

مولد فاطمہؓ کے سلسلے میں ہم نے جملہ اختلافات کا ذکر کر دیا ہے اور پھر تاریخی تتبع کے بعد جو بات قرین صواب ہو سکتی تھی۔ اسے درج کر دیا ہے۔ ورنہ دوسرے مورخوں نے اس مسئلہ کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ہم نے اسے قرار واقعی اہمیت دی ہے۔ اور قول فیصل درج کر دیا، جس سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔

فاطمۃ الزہراؑ شادی سے پہلے

اصحاب سیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے کی زندگی سے متعلق کچھ زیادہ معلومات نہیں پیش کیں۔ وجہ ظاہر ہے۔" جیسا کہ گذشتہ موقع پر ہم بتا چکے ہیں۔ کہ مورخین نے بسط و تفصیل کے ساتھ اسلام اور رسالت کی تاریخ پورے استقصاء کے ساتھ بیان کی ہے۔ جب آپؐ نے اسلام اور خدائے واحد کی طرف دعوت دی لیکن جو واقعات حالات اسلام اور رسالت سے براہِ راست تعلق نہیں رکھتے، انہیں یا تو نہیں بیان کیا گیا ہے اور اگر بیان بھی کیا ہے، تو بہت ہی ایجاز و اختصار کے ساتھ، قبل از بعثت واقعات میں مورخین نے جس واقعے پر سب سے زیادہ توجہ کی ہے اور جسے نسبتاً تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ حجر اسود کو دوبارہ اس کے مقام پر رکھنے کا واقعہ ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے کی خانگی اور ذاتی زندگی کے بارے میں صرف یہی اشارے ملتے ہیں۔ "کہ وہ سراپا سکون تھی" نگاہ تامل سے دیکھئے! تو اس بیان کی روشنی میں آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے بہت سے گوشے نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں، کہ آنحضرتؐ کی خانگی اور اہلی زندگی یکسر سکون و طمینان تھی۔ آپؐ کو گوشہ نشینی مرغوب تھی، تنہائی پسند تھی۔ مکہ کے قریب ایک پہاڑ جبل حرا کے غار میں ہر سال کئی کئی دن تنہائی اور عزلت کے عالم میں بسر کرتے تھے۔ وہاں آپؐ عبادت و ریاضت کرتے تھے، غور و فکر کرتے تھے اور راہ حق و صواب کی جستجو میں لگے رہتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ کا یقین

آپؐ کی بیوی خدیجہؓ آپؐ کی راحت و آسائش کا پورا پورا خیال رکھتی تھیں اور امکان بھر، بلکہ امکان سے بھی زیادہ، اس تگ و دو میں رہتی تھیں۔ کہ آپؐ کو سکون ملے، آرام ملے، اس لئے کہ دل کی گہرائی سے وہ اس کا یقین رکھتی تھیں کہ آپ عام لوگوں سے ماورا ہیں۔ آپؐ ایک امتیاز خاص کے حامل ہیں۔ آپؐ میں تقدس ہے، روحانی برتری اور عظمت کی جھلک ہے۔

آنحضرتؐ کے دل میں خدیجہؓ کی منزلت

خود آنحضرتؐ کی بھی یہ کیفیت تھی کہ آپؐ حضرت خدیجہؓ سے احترام اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ ان کی پسند اور ناپسند کا لحاظ رکھتے تھے۔ اپنے دل میں ان کی ایک خاص منزلت اور خاص مقام محسوس کرتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ گو وہ عمر میں آپؐ سے بڑی تھیں اور دونوں کی عمر میں کافی تفاوت تھا، آپؐ پچیس سال کے تھے اور وہ چالیس سال کی تھیں۔ لیکن جب تک وہ زندہ رہیں۔ آپؐ نے دوسری شادی کا خیال بھی اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیا۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

اس واقعہ کو تو سب مورخین تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن یہ سوال، کسی نے نہیں اٹھایا کہ ایسا کیوں ہوتا تھا؟ آخر خدیجہؓ آپؐ کی عزلت گزینی اور تنہائی کی حوصلہ افزائی کیوں کرتی تھیں؟ ظاہر ہے کہ آپؐ بھی ان سے محبت کرتی تھیں۔ پھر اس غیر معمولی محبت کے باوجود عام فطرت نسائی کے برخلاف، وہ خوشی خوشی اسے کیوں گوارا کرتی تھیں کہ آپؐ کچھ دن ان سے نہ صرف ان سے بلکہ گھر سے دور رہیں۔ ایک تنہا مقام پر کئی کئی دن گذار دیں؟ یہ چیز تو انہیں ناگوار ہونی چاہیئے تھی، لیکن نہیں ہوئی، کیوں؟

بات یہ ہے۔ کہ وہ دل سے یقین رکھتی تھیں کہ محمدؐ بن عبداللہ کی کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں۔ وہ اگر ابھی نبی نہیں ہیں، تو مرتبہ نبوت پر فائز ضرور ہونے والے ہیں۔ اس لئے کہ

یہ طور طریقے عام آدمیوں کے نہیں ہوتے، نبیوں ہی کے ہوتے ہیں ——— بس یہ یقین تھا جو انہیں مجبور کرتا تھا کہ آپؐ کی عزت گزینی کی حوصلہ افزائی کریں۔ آپؐ سے عارضی بُعد و ہجرت گوارا کریں، چنانچہ اس فراق و ہجران کو وہ خوشی سے برداشت کرتی رہیں، کبھی اس کا برا نہیں مانا۔

لامنس کی رنگ آمیزی

اس تمام مدت میں حضرت فاطمہؓ آپؐ کے زیر سایہ سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ لیکن لامنس سکون و عافیت کی اس زندگی کو رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

> اگر فاطمہؓ کی شخصیت کو صحیح آب و رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو ضروری ہے کہ وہ "سہرا تاج" ان کے سر سے اتار دیں" جو مورخین نے ان کے سر پر ازراہ عقیدت رکھ دیا ہے۔ ہمیں بہر حال ایک نقاد اور مورخ کی حیثیت سے فاطمہؓ کی شخصیت کو دیکھنا چاہیئے۔ سچی بات تو یہ ہے۔ کہ اپنے والد اور صحابہ کی نظر میں فاطمہؓ کی وہ قدر و منزلت نہ تھی جو والدین اور دوسرے عزیزوں کی نگاہ میں کسی چہیتی اور لاڈلی اولاد میں ہوتی ہے۔ اپنے گھر فاطمہؓ نہ کسی احترام کی حامل تھیں اور نہ انہیں کوئی منزلت حاصل تھی۔ محمدؐ کی بیویوں میں عائشہؓ، حفصہؓ اور زینبؓ وغیرہ کو گھر میں جو منزلت حاصل تھی۔ فاطمہؓ اس سے یکسر محروم تھیں۔ یہ صرف ہماری خیال آرائی نہیں بلکہ تاریخ کے ٹھوس حقائق ہیں، جنہیں ہم زبان قلم پر لا رہے ہیں۔ سیرت کی قدیم ترین کتابوں کا مطالعہ واضح طور پر اس حقیقت کو سامنے لاتا ہے۔ کہ فاطمہؓ کا ذکر عام طور پر نذر تغافل کیا گیا ہے، سیرت

ابن ہشام بہت قدیم اور بالکل ابتدائی عہد کی کتاب ہے اس ساری کتاب میں فاطمہؓ کا نام صرف دو جگہ آیا ہے[1] حالانکہ اس کتاب میں علیؓ ابن ابی طالب کا ذکر متعدد مواقع پر آیا ہے اور خاصی تفصیل کے ساتھ۔ یقیناً سیرت ابن ہشام کے مؤلف کا فرض تھا۔ کہ فاطمہؓ کا ذکر وہ تفصیل کے ساتھ کرتا۔ اور امکانی حد تک بسط سے کام لیتا۔ اس لئے کہ وہ کسی معمولی شخصیت کی مالک نہ تھیں۔ ابن ہشام کی طرح ابن سعد کی روش بھی یہی نظر آتی ہے۔ اس نے اپنی طبقات میں علیؓ کے کردار اور سیرت پر کافی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ بحث کی ہے۔ مگر فاطمہؓ کے متعلق صرف ایک جملہ کہہ کر گزر گیا ہے۔ ابن حنبلؒ نے بھی چند سطروں سے زیادہ انہیں اہمیت نہیں دی ہے[2]

فاطمہؓ کو اہمیت بعد میں حاصل ہوئی

اہل بیت کرام اور تقدس و احترام کی جو کیفیت آج نظر آتی ہے۔ درحقیقت اس کا آغاز مسلمانوں کی دوسری نسل سے ہوا۔ جب ہی سے مورخین اور اصحاب سیر نے فاطمہؓ کی ذات کو نمایاں کرنا اور انہیں احترام و تقدس کا مورد بنانا شروع کیا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۲۱، ۷۶۷

[2] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۸۲

لیکن غور کیجئے تو معلوم ہوگا، اسی دور میں بھی جو اہمیت اور منزلت علیؓ اور ان کی اولاد کو حاصل رہی وہ فاطمہؓ بنت محمدؐ کو حاصل نہ ہو سکی۔ حالانکہ یہ اولاد فاطمہؓ ہی کے بطن سے تھی۔

اغانی میں فاطمہؓ کا ذکر

کتاب الاغانی، ابوالفرج اصبہانی کی تالیف ہے ابوالفرج کا شمار شیعان علیؓ میں ہوتا ہے۔ لیکن باایں ہمہ فاطمہؓ کا ذکر اس کتاب میں بھی شاذ و نادر ہی آتا ہے۔ مسعودی اور یعقوبی "دو ایسے اصحاب" سیر گزرے ہیں۔ جنہوں نے غالباً پہلی مرتبہ اپنی کتابوں میں فاطمہؓ اور ان کی شخصیت کی عظمت و اہمیت کو زیادہ نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور بعد کے مورخین نے فاطمہؓ کا جب کبھی ذکر کیا ہے تو حقیقتاً انہوں نے اپنا مواد "مسعودی اور یعقوبی" سے مستعار لیا ہے۔ اس موقعہ پر نامناسب نہ ہوگا۔ اگر ایک اور واقعہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے وہ یہ کہ خلفائے عباسیہ نے حکومت اور سلطنت پر قبضہ فاطمہؓ اور علویں ہی کے نام پر کیا۔ لیکن جب اقتدار و اختیار پورے طور پر ہاتھ آ گیا۔ تو انہوں نے پانی کی طرح علویوں کا خون بہایا۔ اور انہیں خون کے دریا میں غرق کر دیا۔ تفصیل درکار ہو، تو مقاتل الطالبین سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اصحاب سیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا ذکر کرتے وقت بالعموم حضرت فاطمہؓ کو نظر انداز کیا ہے۔ لیکن یہ سمجھنا کہ انہوں نے ارادتاً ایسا

کیا اور حضرت فاطمہؓ کو گمنام رکھنے کی کوشش کی، تو سراسر زیادتی اور بددیانتی پر مبنی ہے۔

اصحاب سیر کے طرزِ عمل کی توجیہ

اصحابِ تاریخ و سیر نے یہ سلوک، صرف حضرت فاطمہؓ ہی سے نہیں کیا ہے۔ نگاہ تحقیق دیکھ سکتی ہے۔ کہ کتب سیرت نے ازواج مطہرات کا ذکر بھی اتنا ہی مختصر بیان کیا ہے، جتنا آپ کے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کا گذشتہ اوراق میں ہم اس طرزِ عمل پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ کہ اصحاب تاریخ و سیر نے آنحضرتؐ کی صرف اس زندگی کو ضبط و تفصیل سے بیان کیا ہے جو اسلام اور رسالت سے متعلق ہے۔ چونکہ آنحضرتؐ کے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں اور ازواج مطہرات کا اسلامی شریعت اور سیاست سے براہِ راست کوئی سروکار نہ تھا۔ اس لئے قدرتاً ان کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ تک کی زندگی اسی طرح بیان کی گئی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے صرف دو حالات نسبتاً بسط تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ جب آنحضرتؐ اس دنیا سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔ مسلمانوں نے ام المومنین سے دین و مذہب اور حدیث و سنت سے متعلق معلومات حاصل کیں۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ مورخین کے اختصار کو ہم کسی بدنیتی پر محمول کریں اور نہ یہ خیال مناسب ہوگا کہ اس اختصار نے اسلام اور اس کی تاریخ میں کسی قسم کا خلاء پیدا کر دیا۔ آنحضرت کی خانگی زندگی بے انتہا پرسکون تھی اور یہ ایسی حقیقت ہے جو نہ تفصیل کی محتاج ہے نہ خیال آرائی کی، غور کیجئے کہ یہی ایک نقطہ ہے جو آپ کی خانگی زندگی کے تمام پہلوؤں کو مفصل طور سے ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے۔

عائشہؓ اور فاطمہؓ

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ مورخین نے حضرت عائشہؓ کے حالات و سوانح سے متعلق اتنا مواد پیش کیا ہے جو آپؐ کی دوسری ازواجؓ اور صاحبزادیوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایسے واقعات پیش آئے، جب حضرت عائشہؓ کو عملی سیاست

میں حصہ لیا پڑا۔ نیز قرآن و حدیث اور سنت و فقہی مسائل سے متعلق نہیں اتنی زیادہ معلومات تھیں کہ مسلمان ان سے استفادہ کرنے پر مجبور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی شخصیت نے غیر معمولی اہمیت حاصل کر لی۔ اگر کہیں حضرت عائشہ کے بارے میں بھی مورخین نے اختصار سے کام لیا ہوتا تو کوئی شبہ نہیں تاریخِ اسلام میں ایک ایسا خلاء پیدا ہو جاتا جو شاید کسی طرح پُر نہ ہوتا۔ اس کے برعکس حضرت فاطمہؓ کی زندگی پر ایک نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا۔ کہ انہوں نے عملی سیاست میں کوئی حصہ لیا نہ آنحضرتؐ کے بعد وہ زیادہ عرصے تک زندہ رہیں۔ کہ لوگ ان کی بارگاہ تک پہنچتے، اور اسلام و داعی اسلامؐ سے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ ان کی ساری زندگی میں یکسانیت ہے اور زندگی کے کسی دور میں بھی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا جو اس سکون کو درہم برہم کرنے والا ہوتا۔ ایسی صورت میں مورخین اور اربابِ سیر کے لئے یہ غیر ضروری سی بات تھی۔ کہ وہ اجمال کو تفصیل میں لانے کی کوشش کرتے۔

۹

آنحضرتؐ اور حضرت فاطمہؓ

حضرت فاطمہؓ جب آنحضرتؐ کے زیرِ سایہ اپنی زندگی کے دن گذار رہی تھیں، اس دور کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ لیکن اگر حالات و واقعات کو پیشِ نظر رکھا جائے، تو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ حضرت فاطمہؓ سے آنحضرتؐ کو غیر معمولی محبّت تھی۔ آنحضرتؐ نے اپنی کسی اولاد کو اتنا نہ چاہا، جتنا فاطمہؓ الکبری کو شکل و سیرت اور خلق و اخلاق میں وہ آنحضرتؐ کا نمونہ تھیں۔ یوں تو باپ کو بیٹی سے محبت ہوتی ہی ہے۔ لیکن فاطمہؓ سے آنحضرت کی غیر معمولی محبت کا سبب یہ تھا کہ ہمہ وقت آپؐ کی خدمت میں مصروف رہتیں، حضرت خدیجہؓ عمر رسیدہ ہو چکی تھیں، وہ زیادہ مستعدی اور چوکسی سے آپؐ کی خدمت سے قاصر تھیں۔ لیکن حضرت فاطمہؓ کی خدمت اور مستعدی نے پوری تلافی کر دی تھی۔

فاطمہؓ کے بارے میں آپؐ کے ارشادات

آنحضرتؐ کو فاطمہؓ سے کتنی محبّت تھی۔ اس کا اندازہ آپؐ کے ان کلمات سے ہو سکتا ہے۔ جو مختلف مواقع پر آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کے بارے میں ارشاد فرمائے۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا۔

جس سے فاطمہؓ خوش اس سے خدا خوش جس سے فاطمہؓ خفا ہوگی خدا بھی اس سے خفا ہوگا۔" جس سے تو خوش ہوگی خدا بھی اس سے خوش ہوگا۔"

ایک اور موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

[illegible] نے یہ حدیث صحیح مسلم جلد [illegible] سے لے کر درج کی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے "فاطمہؓ میرے دل کا ٹکڑا ہے، جو اسے دُکھ پہنچائے گا، وہ مجھے تکلیف دے گا، جو اسے خوش رکھے گا، وہ مجھے راحت پہنچائے گا۔"

(یہ بات آنحضرتؐ نے کسی اور کے لئے نہیں فرمائی)

فاطمہؓ کے نام سے محبت ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریشم کا ایک پارچہ حضرت علیؓ کو مرحمت فرمایا۔ انہوں استعمال کر لیا۔ چونکہ ریشم مردوں پر حرام ہے۔ لہٰذا حضرت علیؓ کو ریشم میں ملبوس دیکھ کر آپؐ برہم ہوئے۔ حضرت علیؓ مزاج شناس رسولؐ تھے۔ برہمی تاڑ لی" دریافت کیا اس کپڑے کا کیا کروں؟ فرمایا اس کی اوڑھنیاں بنا دُ، اور فاطمہؓ نام کی جتنی عورتیں ہیں ان میں تقسیم کر دو۔

فاطمہؓ کے بارے میں عائشہؓ کا قول "حضرت فاطمہؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کا ایک قول بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آپ فرماتی ہیں:"

("میں نے فاطمہؓ کے والد کے علاوہ، کوئی ہستی ان سے افضل نہیں دیکھی۔")

فاطمہؓ بنتِ اسد فاطمہؓ عربوں کے لئے ایک معروف اور متداول نام تھا حضرت علیؓ کی والدہ کا نام بھی فاطمہؓ بنتِ اسد تھا۔ اور ان کے آغوش میں رسولؐ اللہ کو وہی راحت ملی۔ جو ایک ماں سے بیٹے کو مل سکتی ہے۔ ابو طالب کے انتقال کے بعد فاطمہؓ بنتِ اسد نے یعنی حضرت علیؓ کی والدہ نے آنحضرتؐ کو بہت سے خطروں سے محفوظ رکھا۔ جب تک آپؐ مکہ میں مقیم رہے۔ فاطمہ بنتِ اسد کی غیر معمولی

---

۲۰۱ احادیث (متفق ہیں)

محبت اور شفقت نے اذیت کے اس احساس کو بہت کم کر دیا تھا۔ جو کفار اور مشرکین کے ہاتھوں آپؐ کو پہنچتی رہتی تھیں۔ پھر جب آپؐ نے ہجرت کی اور مدینہ تشریف لے گئے، تو کچھ عرصے بعد وہ بھی مدینہ آ گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فاطمہ بنت اسد کی محبت و شفقت سے، کس درجہ مانوس و متاثر تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو گا۔ کہ جب ان کا انتقال ہوا، تو آپؐ نے ان کی تکفین اپنے کپڑوں میں کی۔ خود ہی قبر میں اتارا۔ اس پر کسی صحابی نے پوچھا۔ یارسول اللہ! آپؐ نے فاطمہ بنت اسد کے ساتھ وہ سلوک کیا جو آج تک کسی نے کسی کے ساتھ نہیں کیا آخر اس کا سبب؟ جواب میں آپؐ نے فرمایا ——— ابوطالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کسی اور نے نہیں کیا۔[۱]

خدیجہؓ کے بعد فاطمہؓ کا غم و الم

حضرت خدیجہؓ کا جب انتقال ہوا تو یہ جدائی صرف ایک بیوی کی جدائی نہ تھی، ایک ہمدرد کی جدائی تھی۔ جس نے تن من دھن سے حق رفاقت ادا کیا تھا۔ ایک ایسی ہستی کی جدائی تھی جو ہر پریشانی اور اضطراب کے وقت تسکین و تسلی کا پیام ثابت ہوتی تھی۔

حضرت فاطمہؓ "ماں کے انتقال کے وقت ایک کمسن بچی تھیں"، انہیں ماں کی جدائی شاق تھی۔ اس غم نے ان کی خوشی چھین لی تھی۔ اور یہ غم اس وقت بہت زیادہ بڑھ جاتا تھا، جب وہ دیکھتی تھیں۔ کہ ان کا محبوب باپؐ سکھ اور اطمینان سے محروم ہے۔ ایسے موقع پر انہیں اپنی بے بسی کا احساس ہوتا تھا۔ اور وہ گریۂ بے اختیار پر مجبور ہو جاتی تھیں۔[۲] کمسنی کی یہ چوٹ ان کے دل سے کبھی دور نہ ہو سکی۔ ماں کی جدائی نے ان کے جذبات نشاط و مسرت ختم کر دیئے۔ وہ ہر وقت پژمردہ نظر آتی تھیں۔ یورپ کے مستشرقین حضرت فاطمہؓ کی

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۸۰، ۱۳۸ طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۱۲، ۱۳۴۔ ابن جریر جلد ۳، نیز اصابہ۔

۲۔ مسعودی ج ۲

پژمردگی دیکھتے ہیں۔ اور اس کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ لیکن اس کے اسباب و علل کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ صرف اتنا یاد ہے کہ غم و اضمحلال اور افسردگی نے ان سے مستقل طور پر رشتہ رفاقت باندھ لیا تھا[1]

باپ اور بیٹی

حضرت فاطمہؓ جسمانی طور پر ہمیشہ سے نحیف و کمزور تھیں۔ مستقل غم نے ان کی صحت پر اور زیادہ اثر ڈالا عرب عورتیں عام طور پر حفظِ صحت کے لئے گھر کا کام کاج تو ب کیا کرتی تھیں۔ لیکن آنحضرتؐ نے اپنی چہیتی بیٹی کی اس کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ اور انہیں تاکید کر دی تھی۔ کہ گھر کے کام کاج سے زیادہ سروکار نہ رکھیں! ایسا نہ ہو" کہ محنت اور تکان کے باعث ان کی صحت اور زیادہ کمزور ہو جائے[2]۔ ویسے بھی وہ دھان پان تھیں" رنگ گندم گوں اور جمیل الطلعت۔

حضرت فاطمہؓ کا دل آنحضرتؐ کے لئے دوگونہ محبت کا مرکز ہو گیا تھا۔ باپ کی حیثیت سے تو" وہ آپؐ سے غیر معمولی محبت کرتی تھیں، ماں کی محبت بھی سمٹ کر باپ ہی کی محبت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ کفارِ مکہ" آپؐ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے آپؐ پر جب آپؐ مصروف عبادت تھے۔ اوجھڑی رکھ دی۔ حضرت فاطمہؓ کو خبر ہوئی، وہ دوڑی دوڑی آئیں، اسے ہٹایا۔ اور کافروں کے لئے بددعا کی، ایک موقع پر آپؐ کا زخم دھوتی جاتی تھیں، اور روتی جاتی تھیں۔ جب آپؐ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، تو سب سے زیادہ حضرت فاطمہؓ ہی متاثر تھیں۔ آپؐ کی تکلیف دیکھ کر بے ساختہ ان کے منہ سے آہ! کے الفاظ نکل جاتے تھے، اس حالت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم آپؐ کو تسلی و تسکین دیتے جاتے" پھر بھی آپؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت فاطمہؓ اس غم سے اس درجہ متاثر ہوئیں کہ ۶ ماہ کے اندر ہی اندر ان کا بھی انتقال ہو گیا[3]

---

[1] "فاطمہؓ بنت محمدؐ" (لامنس) [illegible] ... ثانی جلد ۱ صفحہ ۱۱۴ طبری؛ صحیح بخاری، مسند؛ امام احمد بن حنبل [2]

[3] حدیث و سنت کی تمام مستند کتابوں میں یہ واقعات جستہ جستہ ملتے ہیں (رئیس احمد جعفری)

فاطمہؓ، رقیہؓ اور زینبؓ لامنس نے حضرت فاطمہؓ کے بارے میں عجیب عجیب باتیں کہی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، اسے حضرت فاطمہؓ سے خواہ مخواہ کا بیر ہے۔ وہ فاطمۃ الزہراؓ کے اجمالی صوری" اور تناسب اعضاء کا بھی منکر ہے وہ کہتا ہے۔

فاطمہؓ کی بہن، " رقیہؓ صورت شکل میں کہیں زیادہ بہتر و برتر تھیں [1]

اپنی کتاب میں اس نے یہ بات ثابت کرنے میں" ایڑی چوٹی کی قوت صرف کردی ہے" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نگاہ میں حضرت فاطمہؓ کی کوئی خاص منزلت نہیں تھی۔ اس نے عروہ بن زبیر کی ایک حدیث بھی درج کی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے۔ کہ

آپؐ نے فرمایا، میری بیٹیوں میں سب سے افضل زینبؓ ہیں

اس حدیث کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرنے کے بعد" وہ علیؓ بن حسینؑ کے بارے میں لکھتا ہے کہ انہوں نے جب یہ حدیث سُنی" تو برہم ہوئے اور عروہ بن زبیرؓ سے، جو اس حدیث کے راوی ہیں کہا"

اس روایت سے تمہارا مقصد یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی شان اور مقام کو پست ثابت کرو [2]!

فاطمہؓ اور عائشہؓ لامنس کو حضرت فاطمہؓ میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی، وہ ان کی ذہانت اور ذکاوت کا بھی منکر ہے۔ لکھتا ہے۔

مورخین نے فاطمہؓ کا ذکر بہت زیادہ اختصار سے کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ عائشہؓ کے مقابلے میں جہاں

---

[1] تاریخ الخمیس صفحہ ۲۲۳ [2] تاریخ الخمیس صفحہ ۲۰۹

تک ذہانت و ذکاوت اور فراست و بصیرت کا تعلق ہے
"وہ بہت کم تھیں"

لامنس کی یہ بات بھی" اس کی دوسری باتوں کی طرح لغو اور مہمل ہے۔ اپنی جگہ پر حضرت عائشہ رضؓ کی فضیلت، بصیرت، فراست، ذہانت" ہر چیز مسلّمہ ہے۔ لیکن حضرت عائشہ رضؓ کا یہ "جوہر" آنحضرتؐ کی وفات کے بعد کھلا۔ کیونکہ اس کے بعد ہی ام المومنین کی حیثیت سے وہ مرجع انام بنیں۔ اور انہوں نے قرآن اور کتاب سنت سے متعلق" اپنے بیش بہا علم سے اُمت کو غیر معمولی فائدہ بھی پہنچایا۔ لیکن اس سے حضرت فاطمہ رضؓ کی تنقیص لازم نہیں آتی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد "اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ جس کی رسول اللہؐ نے انہیں بشارت بھی دی تھی۔ ظاہر ہے" کتاب و سنت سے متعلق اپنی ذہانت و فراست اور علمیّت و الہیّت کے مظاہرے کا انہیں وقت ہی نہیں ملا۔ ورنہ اس حقیقت سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت فاطمہ رضؓ سے جو غیر معمولی محبت تھی۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا۔ کہ وہ ذہانت و ذکاوت کی نعمت سے مالا مال تھیں۔ ان کا علم وسیع اور نظر دور بیں تھی۔ یہی وجہ ہے" کہ کتب سیرت میں جتنا نسبتاً زیادہ ذکر حضرت فاطمہ رضؓ کا ملتا ہے۔ اتنا آنحضرتؐ کی دوسری صاحبزادیوں کا نہیں ملتا۔ اور اگر یہ بات پیش نظر رکھی جائے کہ اصحاب سیر نے اپنی تالیفات" بنات رسولؐ" اور خاندانِ رسولؐ" کے لئے نہیں لکھی تھیں۔ ان کے پیش نظر اسلام اور داعی اسلام کا ذکر تھا تو ماننا پڑے گا۔ کہ حضرت فاطمہ رضؓ کا جتنا کچھ ذکر ہے، وہ بہت کافی ہے۔

سیّد امیر علی کی رائے

ہندوستان کے فاضل شہیر" سیّد امیر علی نے لکھا ہے" ایک عورت میں جتنی قدوسیت اور انسانیت ہو سکتی ہے" فاطمہ رضؓ اس کی مثالی پیکر تھیں!"

بے شک وہ عورت کی قدوسیّت اور انسانیّت کا مثالی پیکر تھیں۔ اس لئے کہ قدرت نے بڑی فیاضی سے انہیں ذکاوت و ذہانت اور علم کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ انہوں نے تربیّت کہاں پائی تھی؟ مدرسۂ نبوّت میں! پروان کہاں چڑھی تھی؟ بیتِ محمدؐ میں۔"

۱۰

فاطمہؓ کی منگنی؟

گذشتہ اوراق میں لامنس کی کتاب کے جو اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ ان سے اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس نے کس طرح خیال آرائیوں اور نکتہ سنجیوں سے کام لے کر اپنی کتاب کو مجموعہ خرافات بنا دیا ہے۔ اس نے بار بار یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فاطمہؓ آنحضرتؐ، صحابہؓ اور تابعین کی نظر میں کوئی خاص منزلت نہیں رکھتی تھیں۔ ان کی زندگی سراپا الم وغم تھی۔ شکل وصورت کے اعتبار سے بھی ان میں کوئی خوبی نہ تھی۔ یہی عیوب ان کی شادی میں رکاوٹ بنتے رہے۔ لوگ اگرچہ آنحضرتؐ سے بے انتہا محبت کرتے اور بے انتہا عقیدت رکھتے تھے۔ لیکن کوئی نہ تھا، جو فاطمہؓ کے لئے شادی کی درخواست کرتا۔ وہ کہتا ہے۔ عرصہ دراز تک کنواری لڑکی کا گھر میں بیٹھا رہنا عربوں کے نزدیک بڑی ہی بری بات تھی۔ جس کی عمر چڑھ جاتی۔ اگر اس کی شادی میں دیر لگتی، تو عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس میں کوئی ایسا ہی نقص ہے، جو کہیں سے پیام نہیں آتا۔

اصلی واقعہ کیا ہے؟

لامنس کی اس قیاس آرائی نے غلط بینی اور غلط فہمی کے باعث واقعات بالا سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ بھی غلط اور مہمل ہے جو لڑکی دیر تک گھر میں بیٹھی رہتی ہے۔ اس کے بارے میں عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ کہ اس کی جدائی والدین کے لئے تکلیف واذیت کا موجب ہوگی، وہ اپنی لڑکی کی ذہانت وفراست اور اخلاق وسیرت سے اس درجہ متاثر ہیں۔ کہ اسے اپنے سے جدا کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ لامنس نے حضرت فاطمہؓ کے بارے میں جو نوٹ لکھا ہے وہ ان مشرقی عیسائیوں کے بارے میں تو صحیح ثابت ہو سکتا ہے، جن کے درمیان اس نے

پنی زندگی بسر کی۔ لیکن مسلمانوں کا جہاں تک تعلق ہے:" ان کے معتقدات و نظریات عیسائیوں کے معتقدات و نظریات سے قطعاً مختلف ہیں۔ واقعہ یہ ہے:" حضرت فاطمہؓ کی شادی میں نسبتاً جو تاخیر نظر آتی ہے:" اس کا سبب صرف یہی ہے۔ کہ آنحضرتؐ ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد انہوں نے سارا گھر سنبھال لیا تھا۔ قدرتاً آپؐ کی یہ خواہش تھی کہ فاطمہؓ کو اپنے سے الگ نہ کریں،' وہ جس خوبی سے ماں کی جانشینی کے فرائض انجام دے رہی تھیں، زیادہ سے زیادہ مدت تک یہ سلسلہ جاری رہے۔ اس سیدھی سادھی بات کو توڑ مروڑ کر بیان کرنا لامنسؔ جیسے مستشرق ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

خدیجہؓ کی دولت فاطمہؓ کو کیوں نہ ملی

لامنسؔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غربت اور عسرت کا تذکرہ بھی کرتا ہے۔ وہ طنز کے ساتھ لکھتا ہے۔

> آنحضرتؐ کی عسرت کا یہ عالم تھا۔ کہ وہ اپنی بیٹی کو جہیز میں کچھ بھی نہ دے سکے:" جسے وہ میکے سے سسرال لے جا سکتیں:" اور پھر یہ کہنے کے بعد سوال کرتا ہے۔ کہ
>
> "آخر خدیجہؓ کے مال و دولت کا کیا حشر ہوا؟ حالانکہ وہ بے حد و بے حساب تھی:"

اس نے یہ سوال کرتے وقت یہ نا سوچا کہ خدیجہؓ کے پاس جو دولت تھی: وہ اتنی تو بہرحال نہ تھی:" جو ہمیشہ کام آسکتی۔ جب کہ صورتِ حال یہ تھی کہ دولت میں کوئی اضافہ نہیں ہو رہا تھا۔ اور خرچ تھا کہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ خانگی مصارف اور لڑکوں، لڑکیوں کی پرورش کے علاوہ غریبوں، محتاجوں، ضرورتمندوں نو مسلموں پر اس کا بڑا حصہ برابر اور مسلسل خرچ ہوتا رہتا تھا۔ یہ بات بھی فراموش نہیں کی جا سکتی۔ کہ نبوت پر فائز ہونے

کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات گرامی کا ایک ایک لمحہ صرف دین وملت کی تبلیغ واشاعت میں صرف ہو رہا تھا۔ تجارت میں اور کاروبار میں توجہ دینے کا نہ انہیں وقت تھا نہ ضرورت نہ احساس نہ فکر۔ چنانچہ تاریخ وسیر کی کتابوں کو کھنگال ڈالیئے! کہیں اشارتاً بھی پتہ نہیں چلتا کہ خدیجہؓ سے شادی کے بعد آپؐ نے کبھی تجارت وکاروبار کی طرف توجہ کی ہو، آنحضرتؐ اور خدیجہ کی ازدواجی زندگی کا رشتہ پچیس سال تک قائم رہا۔ اور اس ساری مدت میں وہی دولت صرف ہوتی رہی جو خدیجہؓ کے پاس محفوظ تھی۔ ظاہر ہے۔ یہ دولت اتنی زیادہ نہ تھی۔ کہ ساری عمر کی کفالت کرتی۔ پچیس برس چلی تو بھی بہت چلی

پیام نکاح ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرف سے

لامنسؔ کا یہ خیال غلط ہے "کہ حضرت فاطمہؓ کی شادی میں کوئی غیر معمولی تاخیر ہو ان کی شادی اٹھارہ سال کی عمر میں ہوگئی۔ عربوں کے عام معاشرہ کے لحاظ سے شادی اس عمر سے کچھ پہلے ہو جانی چاہیئے تھی۔ لیکن بات یہ تھی "کہ آنحضرتؐ اپنی محبت وشفقت اور خانگی مصالح کی بنا پر حضرت فاطمہ کو گھر ہی میں رکھنا چاہتے تھے۔ فاطمہؓ کی شادی کی درخواست" سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے کی، جواب میں!

آپؐ نے فرمایا۔

"ابوبکرؓ! خدا کے فیصلہ کا انتظار کرو!"[1]

پھر حضرت عمرؓ نے یہ شرف حاصل کرنا چاہا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ کو دیا تھا[2]

حضرت علیؓ کا پیام

یہ وہ دور تھا۔ جب حضرت علی عسرت وغربت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہ بھی حضرت فاطمہؓ سے شادی کے متمنی تھے۔

---

[1] ، [2] (اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

ان سے محبت کرتے تھے۔ ان سے رشتہ ازدواج کے خواہاں تھے۔ لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی کہ حرف مطلب زبان پر لائیں۔ فاطمہؓ اور علیؓ دونوں نے آنحضرتؐ کے زیر سایہ پرورش اور تربیت پائی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ حضرت علیؓ دوسرے لوگوں سے کہیں زیادہ حضرت فاطمہؓ کے مزاج وسیرت، ذہانت و ذکاوت کردار و اخلاق اور عظمت و منزلت سے آشنا تھے۔ یہی وجہ تھی[۱] کہ حرفِ مطلب زبان پر لاتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ کہ کہیں وہی جواب نہ ملے، "جو ابوبکرؓ اور عمرؓ کو دیا جا چکا ہے۔

لیکن! انہیں یہ نہ معلوم تھا۔ کہ آنحضرتؐ نے ابوبکرؓ اور عمر کی درخواست کیوں قبول نہ کی تھی؟ بات یہ تھی کہ آپؐ چاہتے تھے کہ فاطمہؓ کے لئے ایسا شوہر منتخب کریں، جو ایک طرف تو اہل بیت میں سے ہو، دوسری طرف ہر مرحلہ پر آپؐ کا معین اور مددگار ہو، اور یہ اس لئے چاہتے تھے۔ کہ فاطمہؓ سے آپؐ کو بے انتہا محبت تھی۔ اور حتی الامکان آپؐ انہیں اپنے سے جدا نہ کرنا چاہتے تھے۔ یہی سبب تھا۔ کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی درخواست شرفِ قبولیت حاصل نہ کر سکی۔ مورخین سیرت نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی درخواست کے جواب میں آپ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں اللہ کے فیصلہ کا مجھے انتظار ہے[۱]۔ مگر علیؓ کے لئے موقعہ تھا۔ اور وقت ان کا منتظر تھا۔ اتفاق کی بات کہ چند ہاشمی و انصاری ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ اور باتوں باتوں میں دریافت کیا۔ کہ فاطمہؓ کے لئے پیام نکاح کیوں نہیں دیتے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔۔

کیا ——— ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بعد بھی؟ ———

جب ان کی درخواست شرفِ قبولیت نہ حاصل کر سکی۔ تو

میں کس طرح امید کروں! کہ میری درخواست قبول کرلیں

---

[۱] اس سلسلہ میں اللہ تعالےٰ کے فیصلہ کا مجھے انتظار ہے؟ البلاذری الاشراف [۱]، [۲] حاشیہ صفحہ ۸۵ ہے،

[۲] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ ـ انساب الاشراف البلاذری الاشراف [۳] البلاذری الاشراف۔

گے ؟

دوستوں نے کہا ——————

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیز قریب ہیں۔ آنحضرتؐ آپؓ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ ان کے زیر سایہ آپؓ کو تربیت و پرورش حاصل ہوئی۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں۔ کہ اس باب میں آپؓ کی درخواست رد ہو جائے۔

آنحضرتؐ کا جواب

یہ بات حضرت علیؓ کے ذہن میں بیٹھ گئی۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا۔ کہ ایسا ہی کریں گے۔ لہٰذا بارگاہِ نبوت میں ہمت کر کے پہنچے۔ سلام کیا۔ اور چپ چاپ بیٹھ گئے۔

آنحضرتؐ نے دریافت کیا۔ "ابوطالب کے بیٹے کیوں آئے ہو؟"

حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ "میں اس لئے حاضر ہوا تھا۔ کہ فاطمہؓ کے لئے اپنی درخواست آپؐ کی خدمت میں پیش کروں!"

یہ سُن کر آپؐ نے فرمایا۔ مرحبا واہلاً (یعنی خوش آمدید) یہ کہہ کر آپؐ خاموش ہو گئے۔ اس کے سوا آپؐ نے اور کوئی بات نہ فرمائی۔

آنحضرتؐ کے ارشاد کا مطلب کیا تھا؟ یہ بات حضرت علیؓ کی سمجھ میں نہ آئی۔ وہ بارگاہِ رسالتؐ میں جس طرح حیران و پریشان گئے تھے۔ اسی طرح واپس آگئے پوچھنے والوں نے پوچھا۔

"کہیئے کیا ہوا؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا۔

میں نہیں کہہ سکتا۔ "میری درخواست قبول ہوئی، یا
نہیں؟ میں نے دل کی بات آپؐ سے کہہ دی۔ آپؐ نے سنی
اور فرمایا "خوش آمدید"، آخر میں اس سے کیا سمجھ لوں؟

لوگوں نے کہا۔

اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ آنحضرتؐ نے آپؓ کی درخواست
قبول کر لی اور اب آپؓ کو فکر نہ کرنی چاہیئے!

آنحضرتؐ اور حضرت علیؓ

اسلام کے بلند پایہ اکابرین کے حالاتِ سوانح کی تلاش و جستجو کی جائے، تو قبولِ اسلام کے بعد کی پوری زندگی آئینے کی طرح صاف اور مجلّٰی نظر آتی ہے۔ لیکن اسلام سے پہلے کے واقعات بڑی حد تک نامعلوم ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا بھی یہی معاملہ ہے۔ نبوّت سے پہلے "حضرت علی کے حالاتِ زندگی بہت کم معلوم ہیں۔ ان کے بارے میں جو کچھ بتایا جا سکتا ہے۔ وہ صرف یہ، کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ سایہ اسی طرح زندگی بسر کی۔ کہ بالکل ان کا پرتو بن گئے۔ ان کی شروع کی زندگی آنحضرتؐ، حضرت خدیجہؓ اور آپؐ کی صاحبزادیوں کے ساتھ گذری۔ عہدِ طفلی میں وہ آنحضرتؐ کے بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔

تاریخ اسلام کے بہت سے واقعات "لامنس کے لئے حیرت انگیز ہیں۔ چنانچہ اس بات سے بھی اسے تعجب ہے" کہ ابوطالب نے اپنی زندگی میں اپنا بچہ (حضرت علیؓ) کس طرح بھتیجے کے سپرد کر دیا؟ اور کیوں کہ اس کی پرورش و تربیت کی ذمّہ داری آپ کو سونپ دی؟ لیکن یہ اعتراض کرتے وقت " لامنس " نے یہ حقیقت نظرانداز کر دی

"کہ بھتیجے پر چچا کا کتنا زیادہ حق تھا۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے؟ کہ آنحضرتؐ نے ابوطالب کے زیرِ سایہ پرورش و تربیت پائی۔ اور وہ ابوطالب ہی تھے۔ جنہوں نے غربت و فلاکت کے باوجود بیٹوں سے کہیں زیادہ بھتیجے کی راحت و آسائش اور ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھا۔ حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد جب آنحضرتؐ کی مالی حالت سنبھل گئی۔ تو آپؐ نے محسوس کیا۔ کہ جس حد تک ممکن ہو ابوطالب کو سبکدوش کیا جائے چنانچہ انہوں نے حضرت علیؓ کو لے لیا۔ اور پرورش و نگہداشت کا فریضہ اپنے ذمے کر" ان احسانات کی تلافی کرنا چاہی، جو ابوطالب نے ان پر کئے تھے۔

حضرت علیؓ اور آنحضرتؐ

لامنسؔ نے حسب عادت اور بھی کئی لایعنی قسم کے سوالات اٹھائے ہیں۔ اور شبہے کئے ہیں۔ مثلاً اسے انکار ہے۔ کہ آنحضرتؐ کے زیرِ سایہ "حضرت علیؓ نے تربیت پائی۔ لیکن اس انکار کو اہمیت دینا بیکار ہے۔ کیوں کہ مورخین کا اس امر پر اجماع ہے اور لامنسؔ کا اجماع مورخین سے یہ انکار" بے دلیل اور بے ثبوت ہے۔" لامنسؔ نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے ہجرت دیر سے کی۔ اور مدینہ میں جا کر رسول اللہ سے بعد میں ملے[1] لیکن وہ اتنا بھولا ہے۔ کہ اسے یاد نہیں، کہ ہجرت میں تاخیر کا سبب کیا ہوا۔؟ کیا وہ حضرت علیؓ ہی نہیں تھے، جنہوں نے بے خوف و خطر اور سر پر منڈلانے والے خطرناک ترین حادثہ سے بے پرواہ ہو کر آپؐ کی ہجرت کے بعد ثبات و استقلال کے ساتھ اپنے آپؓ کو کفارِ مکہ کے سامنے کر دیا؟ ان کافروں نے طے کر لیا تھا کہ آنحضرتؐ کو قتل کر دیں۔ آنحضرتؐ کو خدا نے کافروں کے اس ارادہ کی اطلاع دے دی۔ آپؐ نے ہجرت کا فیصلہ کر لیا۔ علیؓ کو امانتیں سونپیں" اور تشریف لے گئے۔ آپؐ کے تشریف لے جانے کے بعد علی بے اندیشہ آپؐ کے بستر پر سو گئے۔ یہ جانتے ہوئے۔ کہ کافروں نے

---

[1] المنفریزی

گھر کو گھیر رکھا ہے۔ اور اب ان کا ہدف مجھی کو بننا ہے۔ پھر جب اس خطرے سے اللہ تعالیٰ نے بچالیا، تو وہ حضرت علیؓ ہی تھے جو فاطمہؓ کو مکہ سے مدینہ لے گئے۔ اور آغوشِ رسولؐ میں پہنچا دیا۔ اگرچہ ابن ہشام کے نزدیک یہ کام عباس نے انجام دیا[1] بعض کے خیال میں یہ خدمت حضرت زیدؓ بن حارثہ نے انجام دی۔ اگرچہ یہ اختلاف بجائے خود کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن قول راجح یہی ہے۔ کہ یہ کارنامہ بھی حضرت علیؓ کا ہی ہے۔

حضرت علیؓ پر لامنس کا اعتراض

لامنس یہ تسلیم کرتا ہے۔ کہ حضرت علیؓ دلیری کے پیکر تھے۔ لیکن اپنی مقتضائے طبیعت کے مطابق" وہ یہ سوال کرنے سے نہیں چوکتا۔ کہ علیؓ کو جنگی تربیت کس نے دی؟ وہ تہور و شجاعت دلیری و بہادری کے پیکر کس طرح بن گئے؟ جبکہ صورتِ حال یہ تھی۔ کہ وہ ایسی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جہاں نہ دوڑ بھاگ کا کام تھا۔ نہ جنگ و جدال میں شریک ہونے کی ضرورت تھی، نہ دشمنوں سے معرکہ آرائی' نہ حریفوں سے رزم و پیکار کا کوئی سوال!

لیکن حسبِ معمول "لامنس" نے یہاں بھی ایک بات نظر انداز کر دی، وہ اسے فراموش کر گیا۔ کہ تہور و دلیری" ایسے صفات ہیں" جو انسان کو قدرت کی طرف سے دیئے جاتے ہیں۔ کسب و اختیار سے نہیں حاصل ہوتے۔ پھر یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ حضرت علیؓ اپنے اعمام یعنی عمزاد بھائیوں کے ساتھ یقیناً سپہ گیری و سواری میں حصہ لیتے ہوں گے' یہ بات تو بہر حال تسلیم شدہ ہے۔ کہ اس زمانے میں ایک گھوڑا آپؓ کے پاس تھا جس پر سوار ہو کر مکہ کی وادیوں، گھاٹیوں اور میدانوں کا چکر لگایا کرتے تھے۔ کچھ یہ فضا، کچھ فطری صلاحیت اور اہلیت ان سب چیزوں نے مل کر" آپؓ میں تہور و دلیری کے وہ اوصاف پیدا کر دیئے جن کی نمود ہجرت کے بعد حروبِ اسلامیہ میں واضح اور نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۸۱۹

۱۱

حضرت فاطمہؓ کی شادی

حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی شادی تاریخ اسلام کا ایک انتہائی اہم ترین واقعہ ہے ——— بہت اہم بھی اور نہایت شاندار، خوشگوار اور دور رس نتائج و اثرات کا حامل بھی۔ اس عقد ازدواج کے نتائج و اثرات، تاریخ اسلام کا ایک نیا باب ہیں۔ اور یہ باب بجائے خود نہایت اہم اور شاندار ہے۔

حضرت علیؓ کی مالی حالت

ابو طالب کی طرح حضرت علیؓ بھی غربت کی زندگی بسر کر رہے تھے نہ کوئی ذریعہ معاش تھا۔ نہ آمدنی کے وسائل و ذرائع۔ قریش کا مشغلہ تجارت تھا۔ لیکن حضرت علیؓ کے پاس پونجی کہاں تھی کہ وہ تجارت و کاروبار میں حصہ لیتے؟ یہی حالت تھی، جس کے باعث جنگ بدر تک حضرت علیؓ نے شادی کا خیال بھی اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ البتہ جنگ بدر کے "مال غنیمت" میں سے، آپؓ کو حصہ ملا۔ اس سے حالت ذرا سدھری۔ چنانچہ پہلی فرصت میں، حضرت فاطمہؓ کے لئے شادی کی درخواست، آنحضرتؐ کے حضور میں پیش کر دی۔ یہ بھی ممکن ہے، جیسا کہ بعض مؤرخین کا خیال بھی ہے۔ جنگ بدر سے پہلے حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ سے اسی طرح کی درخواست کی ہو اور اس انتظار میں ٹھہر گئے ہوں۔ کہ ذرا مالی حالت درست ہو تو اپنے آپ کو اس قابل بنائیں، کہ دلہن بیاہ کر لا سکیں۔

حضرت فاطمہؓ کی شادی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپؐ اپنی کسی صاحبزادی کا عقد کرنا چاہتے تو ان کے پاس جاتے اور بلند آواز سے کہتے۔ فلاں شخص نے تمہارے لئے نکاح کا پیام

آپؐ کو اس پر فخر بھی تھا۔

تمام مؤرخین" اس امر پر متفق ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اہل بیت تکلم پر ہو کر کھانا نہ کھا سکتے تھے۔ اس لئے کہ تھا ہی نہیں اور ایسا ہونا حیرت انگیز بھی نہیں۔ کیونکہ حضرت خدیجہؓ کے پاس جو سرمایہ تھا وہ ہجرت سے پہلے ختم ہو چکا تھا۔ آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہؓ دونوں بڑی فیاضی سے حاجت مندوں، پریشان روزگاروں اور بیواؤں کی مدد پر بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے پاس جو دولت تھی، بہر حال محدود تھی، آمدنی بند ہو چکی تھی، مگر خرچ جاری تھا۔ لہٰذا اسے ختم ہونا ہی تھا۔

فاطمہؓ فضائل علیؓ سے واقف تھیں

حضرت فاطمہؓ اپنے گھر کے چلن سے بہت اچھی طرح آشنا تھیں۔ ان کی نظر سے یہ بات چھپی ہوئی نہ تھی۔ کہ آنحضرتؐ کو اگر تمنا تھی، تو یہ کہ ان کے پاس خوب دولت ہوتی۔ کہ وہ اس سے جی کھول کر ضرورت مندوں اور پریشان روزگار کی مدد کرتے، جس خاتون کی تربیت و پرورش اس فضا میں ہوئی ہو، اس کے بارے میں یہ بات کس طرح باور کی جا سکتی ہے۔ کہ وہ اپنے ہونے والے شوہر پر طعنہ زن ہو گی؟ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا تھا؟ حضرت فاطمہؓ یہ بھی جانتی تھیں۔ کہ آنحضرتؐ حضرت علیؓ سے کتنی بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ اور اپنی گفتار و کردار سے کسی طرح بھی وہ آنحضرتؐ کے دل کو صدمہ پہنچانے کا سبب نہیں بن سکتی تھیں۔ یہ بات شان سعادت مندی کے خلاف تھی۔

باطل اور فاسد روایت

پس ثابت ہوا کہ لامنس کی روایت باطل اور فاسد ہے۔

کتب سیرۃ میں کوئی مستند واقعہ ایسا نہیں ملتا۔ جو لامنس کی تائید کرتا ہو۔ اور اس امر پر مؤرخین کا اجماع ہے۔ کہ فاطمۃ الزہراؓ نے حضرت علیؓ کے ساتھ خوشی اور رضامندی کے ساتھ شادی کی۔

۱۲

حضرت علیؓ کا نکاح

حضرت علیؓ کی استدعا کے چند روز بعد، ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو یاد فرمایا۔ طلبی کا پیغام سن کر وہ فوراً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا!

کیا تم اپنی بیوی کو کچھ دے بھی سکتے ہو؟

حضرت علیؓ نے عرض کیا "میرے پاس ایک گھوڑا ہے، اور ایک زرہ، جو جنگِ بدر کے مالِ غنیمت میں مجھے ملی تھی۔ بس یہی میری کائنات ہے۔"

آپؐ نے فرمایا۔

اچھا تو ایسا کرو، اپنی زرہ بیچ ڈالو! جو قیمت ملے، اس سے دلہن کا ساز و سامان مہیا کرو۔"

حضرت علیؓ کی تعمیلِ ارشاد حضرت علیؓ کو کیا تامل ہو سکتا تھا؟ اس ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے زرہ اٹھائی، بازار پہنچے۔ اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کر دی سینتالیس درہم ملے۔ یہ رقم رومال میں باندھی اور بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے۔

"زرہ کی قیمت حاضر ہے"! آنحضرت نے چند درہم دستِ مبارک میں لئے اور حضرت بلالؓ کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا، "بازار چلے جاؤ اور خوشبو اور عطر خرید لاؤ! کہ یہ دونوں چیزیں آپؐ کو بے حد مرغوب تھیں[1] باقی رقم ام سلمہؓ کو سونپتے ہوئے فرمایا: اس رقم سے شادی

---

[1] مسند حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۰۷

کا ساز و سامان کرو"!

آنحضرتؐ کا خطبۂ نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور خطبۂ نکاح ارشاد فرمایا۔

میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ جو اپنی نعمتوں کے باعث ہر تعریف و تحسین کا سزاوار ہے۔ اور اپنی قدرتوں کے باعث عبادت و پرستش کے لائق ہے۔ اس کی سلطانی ہر جگہ قائم ہے۔ زمین و آسمان پر اس کا حکم چلتا ہے۔ پھر اپنے احکام کے لئے، انہیں آپس میں الگ الگ کیا۔ اور اپنے دین کے ذریعہ انہیں سربلندی عطا فرمائی۔ اور اپنے نبیؐ کے ذریعہ انہیں عظمت و منزلت سے بہرہ ور کیا۔ بلاشبہ خدا نے شادی کو ایک لازمی چیز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۝

اللہ نے ہر کام کو اپنی قضا کے تحت کر دیا ہے۔ اور اس کی قضا، قدرت کی پابند ہے۔ اور ہر قضا مقدر ہے اور قدر کے لئے وقت مقرر ہے۔ اور ہر اجل کے لئے کتاب ہے۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے۔ کہ فاطمہؓ کی علیؓ سے شادی کروں۔ بس میں تمہیں گواہ بناتا ہوں۔ کہ میں نے علیؓ کا نکاح فاطمہؓ سے چار سو مثقال چاندی کے عوض کر دیا ہے۔

آنحضرتؐ کی دعا

جب آپؐ نے خطبے سے فراغت پائی۔ تو خدا سے دونوں کے لئے حسن معاشرت اور ذریت صالحہ کی دعا مانگی۔ دعا کے بعد آپؐ کے

حکم سے کھجوریں لائی گئیں۔ آپؐ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"انہیں کھاؤ!"

یوں تقریب نکاح انجام پذیر ہوئی، مدعوئین دولہا دولہن کے لئے سعادت و برکت اور ذریت طاہرہ کی دعا مانگتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے اس کے بعد "ام ایمن" کو بلایا اور ان سے کہا فاطمہؓ کو اپنے ساتھ علیؓ کے گھر لے جاؤ اور دونوں کو بتاؤ کہ میں ابھی آ رہا ہوں۔ ام ایمن نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حضرت فاطمہؓ کو لے کر حضرت علیؓ کے گھر پہنچیں، اس عرصہ میں آپؐ نے عشاء کی نماز پڑھی اور فراغت کے بعد حسب وعدہ حضرت علیؓ کے گھر گئے۔ اس وقت آپؐ کے ہاتھ میں ایک مشکیزہ تھا جو پانی پلانے کے کام آتا تھا۔ وہاں تشریف لے جانے پر قرآن کی چند آیتیں اور بعض دعائیں تلاوت فرمائیں اور میاں بیوی کو وضو کرنے اور اسی برتن میں پانی پینے کا حکم دیا اور تھوڑا سا پانی دونوں پر چھڑکا۔ آپؐ کو جاتا دیکھ کر حضرت فاطمہؓ کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں۔

آپؐ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا۔

"میری بچی! میں نے اپنی امانت بنا کر، تجھے ایسے شخص
کو سونپا ہے۔ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں جس کا ایمان زیادہ
قوی ہے۔ اس کا علم دوسرے سب لوگوں سے زیادہ ہے
اور وہ ہماری قوم میں اخلاق اور علوئے نفس کے اعتبار
سے افضل ہے!"

حضرت فاطمہؓ کا رونا بالکل قدرتی اور یقینی تھا یہ گریۂ بے اختیار باپ سے جدائی اور گھر سے علیحدگی، کے باعث تھا۔ جہاں شادی سے پہلے لڑکی کی زندگی بنتی ہے اور وہاں سے شادی کے بعد تن تنہا وہ اپنے نئے گھر کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ مؤرخین اس پر متفق ہیں، کہ یہ شادی غزوہ بدر کے بعد ہوئی۔ جب کہ حضرت فاطمہؓ کی عمر اٹھارہ سال کی اور

[1] المسودی جلد ۱ صفحہ ۳۰۳-۳۰۴ طبقات الصحابہ جلد ۸ صفحہ ۱۳

حضرت علی کی عمر ۲۵ سال تھی۔

لامنس کی نشتر زنی!

لامنس اس واقعہ پر پھر حسب معمول نشتر زنی کرتا ہے۔

وہ کہتا ہے۔

> علیؓ بھی اپنی بیوی فاطمہؓ کی طرح جمال اور ملاحت سے محروم تھے۔ وہ پستہ قد تھے۔ عرب کشیدہ قامتی کو مرغوب رکھتے تھے۔ پستہ قدی کو معیوب سمجھتے تھے۔ جو لوگ کشیدہ قامت ہوتے، وہ مفاخر میں اپنے قد کا اظہار بھی کرتے تھے۔ علیؓ کا سینہ پیٹ کی طرف مائل رہتا تھا۔ کوہے نکلے ہوئے تھے۔ بازو پتلے تھے۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں حضرت علیؓ کا حلیہ درج کیا ہے۔ اسی میں لکھا ہے "کہ ان کی ناک چپٹی" اور بازو پتلے تھے۔ ایک مرتبہ کسی عورت نے جب پہلے پہل حضرت علیؓ کو دیکھا۔ تو کہہ اٹھی یہ آدمی ایسا نظر آتا ہے۔ جیسے لکڑی دوبارہ جوڑ دی گئی ہو۔

لامنس نے اس جگہ ٹھوکر کھائی۔ اس نے جو قول ایک عورت کی طرف منسوب کیا ہے۔ درحقیقت منذر بن جارود نے یہ بات اسی وقت کہی تھی" جب وہ حضرت علیؓ کے لشکر کوفہ میں داخل ہوئے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ چنانچہ مشاہدہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

منذر بن جارود کا بیان

"بعد ازاں فوج کے دستے اور پرچم آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ دستوں کے سپاہی نیزے کو جنبش دیتے، آگے قدم بڑھا رہے تھے، پھر

ایک اور حصّہ آیا اس میں بہت سے آدمی تھے۔" اور یہ سب کے سب زرہ پوش تھے۔" ان کے ہاتھوں میں سلاح جنگ چمک رہے تھے، اس دستہ میں کئی پرچم تھے اور اس کے آگے آگے ایک ایسا آدمی جارہا تھا۔ جو اس لکڑی کی طرح تھا، جو ٹوٹ گئی ہو اور پھر اُسے جوڑ دیا گیا ہو۔"

ابن عائشہؓ کا قول ابن عائشہ کا قول ہے۔" کہ ٹوٹی ہوئی لکڑی کو دوبارہ جوڑنے کا محاورہ ایسے شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔" جس کے دستِ دراز قوی ہوں، اور جو نیچے دیکھ کر چلتا ہو۔

۱۳

فاطمہؓ کا گھر!

حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی شادی کامل رضامندی اور محبت کی شادی تھی۔ "نہ یہ بات حضرت علیؓ کے شایان تھی" کہ ایسی لڑکی سے شادی کرتے "جس سے ان کو محبت نہ تھی۔ نہ رسول اللہ ایسے کر سکتے تھے۔ "کہ اپنی محبوب لڑکی کی شادی ایسے شخص سے کر دیتے"، جسے وہ ناپسند کرتی ہو۔ رہا لامنس کا اس حقیقت سے انکار" تو اس کا سبب سوا اس کے اور کچھ نہیں ہے" کہ وہ رسول اللہ کے محبوب ساتھیوں اور اہل بیت نبوی کے خلاف اپنے کذب و دروغ کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہر اس بات کے خلاف ہے جو مسلمانوں کے لیے باعث راحت تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے مقدور بھر بلکہ مقدور سے بھی زیادہ کوشش یہ کرتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی شان اور منزلت کا استخفاف کرے انہیں ان کے درجے سے نیچا دکھائے انہیں پست ظاہر کرے۔ وہ یہ تو کر نہیں سکتا۔ کہ حضرت علیؓ پر قلت ذکا، اور بلادت ذہن کا الزام لگائے۔ اس لئے کہ تمام متاخرین و متقدمین مؤرخین کا اس امر پر اجماع ہے۔ کہ اپنے ذہنی اور دماغی نیز علمی خصائص کے اعتبار سے وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے وہ یہ بھی نہ کر سکا کہ حضرت علیؓ کو تدبر و فراست کے میدان میں فروما یہ دکھائے، اس لئے کہ ان کی عبقریت اور وفور ذہانت کا سب کو اعتراف ہے۔ حضرت علیؓ کی دینی استقامت اور واجبات خلافت کی بجا آوری بھی ایسے حقائق ہیں۔ جنہیں لاکھ توڑ مروڑ کر پیش کیا جائے۔ پھر بھی دروغ و کذب کے بل پر ان کی منزلت کم نہیں کی جا سکتی۔ وہ نہایت برگزیدہ مسلمان تھے۔ اور خدمت مسلمین کے سلسلے میں اپنے فرائض پوری دیانت اور خلوص کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ لہٰذا ان

سب چیزوں سے مجبوراً قطع نظر کر کے اپنے دروغ بے فروغ کی بنیاد وہ ایسے گھریلو اور نجی معاملات پر رکھتا ہے۔ کہ جن کی نہ کوئی حقیقت ہے نہ بنیاد۔

لامنس کے ایرادات

لامنس یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کہ میاں بیوی میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو دل سے قبول کرنے پر تیار نہ تھا۔ یہ شادی جبر و بور کی شادی تھی لیکن بدقسمتی یہاں بھی لامنس کے ساتھ ہے۔ تمام مورخین اس کی تکذیب و تردید کرتے ہیں پھر بھی ہم یہ جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ آخر اس نے یہ بات پیدا کہاں سے کی؟ وہ کہتا ہے!

شادی کے وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر بیس [۲] سال تھی ہم اس قول کی فساد انگیزی گذشتہ سطور میں ثابت کر چکے ہیں۔ کہ مورخین کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان کی شادی ۱۸ برس کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس عمر کی شادی کو تاخیر کی شادی نہیں کہا جا سکتا۔ پھر بھی نسبتاً جو تاخیر ہوئی " اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ رسول اللہ انہیں حد سے زیادہ چاہتے تھے۔ انہیں اپنے سے جدا کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ اور ان کے مستقبل کا ایسا سانچہ تلاش کر رہے تھے کہ جدائی ایسی ہو کہ شاق نہ گذرے اور اس کی صورت صرف یہی تھی۔ کہ ان کی شادی حضرت علیؓ سے ہو جائے۔ آگے چل کر لامنس مزید گل افشانی یوں کرتا ھے۔

> یہ بات محال تھی۔ کہ جو شادی اس طرح تکمیل پذیر ہوئی۔ وہ سعید و مبارک ثابت ہوتی، چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد خصومت اور کدورت کی داغ بیل پڑ گئی۔ اور یہ گھر اچھا خاصا میدانِ جنگ بن گیا۔

دلیل اپنے اس نا قابل، قول کی وہ یہ دیتا ہے کہ:۔

> دونوں ایک دوسرے سے اس درجہ بیزار تھے کہ گھر میں میاں بیوی کے لئے چارپائی تک کا بندوبست نہ تھا۔[۱]

---

[۱] منتخب الکنوز جلد ۵ صفحہ ۵۶

حالانکہ اطمینان و مسرت کی زندگی بسر کرنے کے لئے جو چیز
ضروری ہے۔ اس میں چارپائی بھی شامل ہے۔

لیکن اس نے ایسی بے تکی بات کہی ہے۔ کہ مستشرقین میں سے کسی نے بھی یہ بات زبان پر لانے کی جسارت نہیں کی۔

لامنس کی خرافات

لامنس نے اپنے خرافات کی تائید میں جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں یہ بھی ایک ہے کہ میاں بیوی غربت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حالانکہ اس زمانے میں مسلمانوں کی عام حالت یہی تھی۔ کہ وہ فقر و فاقے میں بسر کرتے تھے۔ لہٰذا اس میں حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی تخصیص بالکل بے معنی ہے۔ آگے چل کر اس نے ایک بڑے مزے کی بات کہی ہے۔ وہ کہتا ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے فقر و
غربت کو رفع کرنے کی طرف ذرا بھی توجہ نہ کی۔

لیکن اس جگہ بھی لامنس نے ایک اور بہت بڑی تاریخی حقیقت فراموش کر دی ہے۔ یعنی یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فقر اپنی بیٹی اور داماد سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ آگے چل کر لامنس نے حسب معمول ایک نہایت ہی دلچسپ بات کہی ہے۔ وہ طنزیہ لہجہ میں کہتا ہے۔

جب فقر و فلاکت نے فاطمہؓ اور علیؓ کے گھر میں
ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ رسول اللہؐ زینبؓ کی بیٹی اور
اپنی نواسی امامہؓ کو زیوروں سے لاد رہے تھے"

"لامنس" کے اس دعوے کو پرکھنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہم کتب سیرت کے اوراق الٹیں پلٹیں۔ اور تلاش کریں۔ کہ یہ خبر کہاں تک درست ہے؟ کہ رسولؐ اللہ امامہؓ بنت زینبؓ کو زیوروں سے لاد رہے تھے؟ بخاری میں ابن سعد کی روایت

کردہ ایک حدیث ملتی ہے جو یہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ آپؐ کے پاس ایک سونگی ہار تھا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ میں اسے دوں گا، جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ خیال ہوا کہ ابوبکرؓ کی بیٹی (عائشہ) کے حصہ میں آئے گا۔ آپؐ نے ابو العاص رضؓ کی بیٹی ہالہؓ کو بلایا۔ اور اپنے دستِ مبارک سے اس کے گلے میں ڈال دیا۔

یہ ہے وہ واقعہ جس سے لامنس، نے اپنے کذب و دروغ کا تانا بانا تیار کیا ہے۔ ایک معمولی سا ہار جس کی قیمت شاید ایک درہم بھی نہ ہو۔ اور جسے آپؐ بڑوں کو نظر انداز کر کے سب سے چھوٹی بچی کو پہنا دیتے ہیں۔ امامہؓ اہل بیت اور اہل اسلام میں سب سے کمسن تھیں۔ اس واقعہ کو لے کر لامنس نے جیسی غلط بیانی اور افترا پردازی کی ہے، وہ اسی کا حصہ ہے۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ اس فن میں وہ یکتا اور تنہا نظر آتا ہے۔ اس کا کوئی حریف نہیں

بے بات کی بات

باقی رہی لامنس کی یہ بات کہ میاں بیوی میں کبھی کبھار رنجش ہو جاتی تھی۔ تو اسے اگر صحیح مان بھی لیا جائے (حالانکہ اس بے دلیل دعوے کی صحت میں بھی شبہ ہے) تو بھی کون ایسا گھر ہوگا، جہاں میاں بیوی میں کبھی کبھار رنجش اور اختلاف نہ پیدا ہوتے ہوں؟ خود آپؐ کی حیاتِ گرامی پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپؐ کی زندگی میں بھی ایسے مواقع کبھی کبھی پیش آئے ہیں۔

میاں بیوی میں اگر کبھی کوئی اختلاف ہوتا ہے۔ تو اس کے یہ معنی تو نہیں لئے جا سکتے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے بیزار و متنفر ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی کا اختلاف محبت اور مودت کی دلیل ہے۔

فاطمہؓ بنتِ محمدؐ کا گھر

یہ فاطمہؓ بنتِ محمدؐ کا گھر ہے۔ یہاں حضرت علیؓ تشریف

رکھتے ہیں جو شب و روز اپنی رفیقۂ حیات سے محبّت اور خلوص کا برتاؤ کرتے ہیں۔ انہیں تسکین دیتے ہیں، دلاسہ دیتے ہیں۔ ان کی دل دہی کرتے ہیں، خاطر و مدارت کرتے ہیں۔ حالات بیشک ناسازگار رہیں۔ فلاکت مستقل طور پر موجود ہے۔ لیکن شوہر پورے طور پر زندگی کے ہر مرحلے میں بیوی کا ساتھ دیتا ہے۔ صبر و فقر برداشت کرنے میں اس کی رفاقت کرتا ہے۔ اس زندگی کو خوشگواری کے ساتھ بسر کر لینے کی جدوجہد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔ مدینہ کی فضا اور آب و ہوا مہاجرین کے لئے شروع شروع میں بہت ہی ناسازگار ثابت ہوئی۔ بہتوں کو طرح طرح کے امراض اور گوناگوں امراض میں مبتلا ہونا پڑا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بارگاہِ الٰہی میں دعا کرنی پڑی کہ "خدایا! مدینہ کو امن و سلامتی کی جگہ بنا دے!

اس بوجھل فضا میں جو الم و تعجب سے بھری ہوئی تھی۔ فاطمہؑ اپنے نئے گھر میں آئیں۔ اس احساس کے ساتھ کہ یہاں اطمینان و راحت، سعادت و سہولت کی زندگی بسر کریں گے۔ خود حضرت علیؑ کا جہاں تک تعلق تھا۔ ان کا دل بھی انہیں تمناؤں سے لبریز تھا اور وہ پورے طور پر حضرت فاطمہؑ کی مساعدت کرتے تھے۔ حضرت علیؑ اپنے گھر میں وہی فضا پیدا کرنا چاہتے تھے، جس کا نمونہ بیتِ رسولؐ میں دیکھ چکے تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ رسول اللہ اپنے گھر میں کس طرح رہتے ہیں۔ گھر والوں سے کیسی محبّت اور مروّت کا برتاؤ کرتے ہیں کلفت اور معونت سے الگ رہنے کی کتنی کوشش کرتے ہیں۔ کڑوی، کسیلی باتوں سے کس طرح دور رہتے ہیں۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے، "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کا برتاؤ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا ہو۔ اور میں تم میں سب سے زیادہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ بہتر سلوک کرنے والا ہوں۔

عورتوں سے آنحضرتؐ کا سلوک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عورتوں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرتے

تھے۔ ان کے ساتھ شفقت و محبت کا سلوک کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ تشریف فرما تھے۔ کچھ عورتیں بیعت کی آرزو لے کر حاضر ہوئیں بیعت یہ تھی، کہ خدا کے احکام پر پوری طرح عمل کریں گی۔ اور جن باتوں سے خدا نے منع کیا ہے۔ پورے طور پر ان سے پرہیز کریں گی۔ اس بیعت کے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ تم امر و نہی پر عمل کرنے میں اپنی طاقت کے مطابق کام کرو گی! ان عورتوں کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ اللہ اور اس کا رسول ہم پر کتنا مہربان ہے جتنے ہم خود بھی نہیں[1]

حضرت عائشہ سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا۔ گھر پر آپؐ کا معمول کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا۔ "جب تک نماز کے لیے باہر تشریف لے جانا نہ ہوتا۔ ہم لوگوں کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے! ہاتھ بٹانے کا مطلب یہ ہوا۔ کہ آپؐ ازدواج مطہرات کے ساتھ ان کے کام میں لگ جاتے تھے۔ اور ان کی مدد کرتے تھے۔

علیؓ کی خلق و اخلاق میں پیروی رسولؐ

یہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی۔ حضرت علیؓ آنحضرتؐ ہی کے تربیت یافتہ اور پرورش کردہ تھے۔ کیونکر ممکن تھا کہ وہ خلق و اخلاق میں رسولؐ اللہ کی پیروی نہ کرتے۔ کوئی شبہ نہیں! وہ اپنے گھر میں اپنی رفیقہ حیات کا گھریلو کام میں بھی بٹایا کرتے۔ حضرت فاطمہؓ جب چکی پیستیں، اور آٹا گوندھتیں، تو حضرت علی باہر چلے جاتے۔ کہ لکڑیاں چن لائیں اور پانی بھر لائیں۔

حضرت فاطمہؓ کی صحت و طاقت اس کی متحمل نہ تھی۔ کہ گھر کا سارا کام تن تنہا نپٹا سکیں۔ جبکہ صورت حال یہ تھی۔ کہ گھر میں نہ کوئی ملازم تھا، نہ خادم! اور میاں بیوی کی مالی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ کہ کوئی نوکر رکھ سکیں۔ یہ صورت حال

---

[1] کتاب طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۴۰۷

فتح مکہ تک قائم رہی۔ البتہ فتح مکہ کے بعد حالات کچھ سدھر سے گئے۔ اور مالی حالت کسی حد تک درست ہوئی۔ کیوں کہ غزوات میں حضرت علیؓ کو بھی حصہ ملنے لگا۔ مالی حالت فتح مکہ سے پہلے اس درجہ سقیم تھی۔ کہ حضرت فاطمہؓ اس امر پر مجبور ہوگئیں۔ کہ دودھ پلانے کے لئے حضرت حسینؓ کو بنی کنانہ کے سپرد کر دیں[1]

امام حسنؓ کی ولادت پر آپؐ کا ارشاد

حضرت فاطمہؓ کا دل، اپنے بچے حسنؓ کے پیدائش پر خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا۔ آنکھوں سے مسرت جھانک رہی تھی۔ نشاط و انبساط کی کیفیت چہرہ مبارک سے نمایاں ہو رہی تھی۔ چنانچہ جوشِ مسرت میں نومولود بچے کے لئے انہوں نے تقریبات کا پروگرام بنایا اور قربانی کی تیاری کی۔ آنحضرتؐ کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی بیٹی کو نصیحت کی۔ کہ بچے کے سر کے بال مونڈ دو! اور ان کے وزن کے برابر چاندی فقراء و مساکین میں تقسیم کر دو! اتنا کافی ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے باپؐ کی یہ نصیحت گوش ہوش سے سُنی۔ اور وہی کیا جو آپؐ نے فرمایا تھا۔ اس طرح جب امام حسینؓ پیدا ہوئے تو رسول اللہ کے حکم کے مطابق، ان کے سر کے بال منڈوا کر اسی طرح برابر کی چاندی، وزن کر کے مہاجرین اوّلین کے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دی گئی[2]

میدانِ جنگ میں حضرت فاطمہؓ کا حصہ

جس طرح مرد تدبیر منزل اور دیگر امور میں عورت ہاتھ بٹاتا ہے۔ اسی طرح جہد حیات اور ہنگامہ عالم کی سرگرمیوں عورت بھی مرد کی رفاقت کرتی ہے اسلام کی تاریخ ایسے روح پرور واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ جنگ کے وقت تلواروں

---

[1] منتخب الکنوز جلد ۲ صفحہ ۵۲، لیکن آغانی نے لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ کی بیوی لبابہ نے حضرت حسن کو دودھ پلایا تھا۔ جلد ۲ صفحہ ۱۲ ایڈیشن۔ [2] مسند امام حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۹۰ البلاذری فی انساب الاشراف

کے سائے تلے عورت مردوں کے ساتھ پہلو بہ پہلو کام کرتی نظر آتی ہے۔ وہ پیاسوں کو پانی پلاتی ہے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی ہے۔ ٹوٹی ہوئی ہڈیاں جوڑتی ہے۔ اور صرف انہیں کاموں پر اکتفا نہیں کرتی۔ حالات نازک صورت اختیار کر لیتے ہیں ہیں۔ بڑے بڑے ماہرین جنگ کے پاؤں لڑکھڑا جاتے ہیں۔" وہ عورت ہی ہوتی ہے جو مرد کو جوش دلاتی ہے، حوصلہ دیتی ہے۔ اور جنگ کا پانسہ پلٹ دیتی ہے۔ وہ حالات کے مطابق جدوجہد کرتی ہے۔ جنگ کی چنگاریوں کو دھکتے ہوئے شعلوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ مردانہ وار جنگ کے میدان میں کود پڑتی ہے۔ تلوار کے سامنے اپنی گردن اور نیزے کے سامنے اپنا سینہ بے جھجک اور بے تامل پیش کر دیتی ہے۔ اور اس طرح ایک نئی فضا اور نیا ماحول پیدا کر دیتی ہے۔

تاریخ و سیر کے صفحات الٹیئے! تو معلوم ہو گا۔ کہ مسلمان خواتین نے جنگ کے میدان میں ناقابل فراموش کارنامے انجام دیئے ہیں۔ وہ رسول اللہ کے ساتھ غزوات میں گئیں۔ تاکہ مریضوں کی تیمارداری کریں۔ زخمیوں کی دل جوئی کریں۔ پیاسوں کو پانی پلائیں۔ دین اسلام کے راستے میں وہ سب کچھ کر گزریں، جو ان سے ممکن ہے۔ واقدی نے لکھا ہے "کہ معرکہ احد میں حضرت فاطمہؓ بھی شریک تھیں" اور اپنے شوہر علیؓ کی امداد و اعانت سے مسلمان زخمیوں کی مرہم پٹی میں حصہ لے رہی تھیں۔ ایک دوسرے واقعہ کا بھی الواقدی نے ذکر کیا ہے۔ کہ جب آپ اس لڑائی سے فارغ ہو کر مدینہ تشریف لائے۔ تو فاطمہؓ نے آپ کی بھی مرہم پٹی کی[1]

لامنس کا انکار لیکن لامنس دوسرے حقائق کی طرح نہایت بے باکی اور جسارت سے کام لے کر اس واقعہ سے بھی انکار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ جنگ احد میں حضرت فاطمہؓ شریک نہیں تھیں۔ اور دلیل یہ دیتا ہے۔ کہ

---

[1] الواقدی ۲۴۵ (مطبوعہ جرمنی)

ابن ہشام اور طبری نے اپنی تاریخوں میں" اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔ اس نے یہ نہیں سوچا۔ کہ اگر ابن ہشام یا" طبری "اپنی تاریخوں میں کسی واقعہ کا ذکر نہ کریں۔ تو اس واقعہ کا ظہور پذیر ہونا کیوں لازم نہیں آتا۔ بہت سی مسلمان خواتین ہیں" جن کے جنگی کارنامے تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ جو لشکروں کے ساتھ میدانِ جنگ میں گئیں اور مردوں کے ساتھ جنگ و پیکار میں حصّہ لیا۔ لیکن ان واقعات کا حال۔ تاریخ و سیرت کتابوں میں کہاں ملتا ہے؟

حضرت فاطمہؓ کی پرالم زندگی

حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں خوشیاں کم تھیں آلام زیادہ۔ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب۔" جو رسول اللہؐ کے چچا تھے۔ معرکہ اُحد میں کام آئے۔ وہ اسلام کی بہت بڑی شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت نے حضرت فاطمہؓ کے قلب پر گہرا اثر کیا۔ وہ ان سے بے انتہا محبت کرتی تھیں۔ ان کی قدر و منزلت سے خوب واقف تھیں۔ اور جانتی تھیں۔ کہ دین کی سربلندی کے لیے انہوں نے کیسے کارنامے انجام دیئے۔ یہ بات بھی ان کے علم میں تھی۔ کہ حضرت حمزہؓ نے بھتیجے رسول اللہ کی حفاظت و مدافعت کس شان اور دلیری کے ساتھ کی۔ ان کے قتل نے فاطمہؓ کے دل و جگر میں زخم پیدا کر دیئے۔ انکی آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ یہ ایک ایسا سانحہ تھا۔ جو پہاڑ بن کر ٹوٹا۔ جس نے ایک عرصے تک انہیں غم گین و مغموم رکھا۔ جب تک وہ زندہ رہیں۔ چند دوسرے غموں کی طرح اس غم کو بھی فراموش نہ کر سکیں۔

۱۴

فاطمہؓ کی اولاد!

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں۔

۱ امام حسنؓ
۲ امام حسینؓ
۳ حضرت محسنؓ [1]
۴ زینب الکبریٰ
۵ اُمِّ کلثوم

ولادت حسینؓ حضرت امام حسنؓ ۳ھ میں اور حضرت امام حسینؓ تیسری شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب امام حسنؓ کی خبر ولادت ملی، تو آپ فوراً فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ بچے کو دستِ مبارک میں اٹھایا۔ اور کان میں [2] اذان دی۔ اسے اپنا لعاب دہن چٹایا۔ جسے تحنیک کہتے ہیں [3]

حضرت امام حسینؓ کی ولادت کے موقع پر آپؐ ذرا تاخیر سے پہنچے۔ لہٰذا ان کی تحنیک نہ ہو سکی۔ کیوں کہ حضرت فاطمہؓ زیادہ انتظار نہ کر سکیں۔ انہوں نے بچے کو دودھ پلا دیا [4]

---

[1] بعض مؤرخین حضرت محسنؓ کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن چند مؤرخین ان کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً مسعودی اور ابو الفداء وغیرہ۔ [2] مسند امام بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۹۱ [3] صحیح بخاری — مسند امام احمد بن حنبل۔ البلاذری [4] منتخب الکنوز — بلاذری

حضرت علیؓ کہا کرتے تھے۔ میری تمام اولاد میں حسنؓ مجھ سے بہت زیادہ مشابہ ہے[1] تیسرے صاحبزادے حضرت محسنؓ کے وجود میں، جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، مورخین کو اختلاف ہے۔ اگرچہ یعقوبی اور مسعودی وغیرہ ان کے وجود کو اصرار کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں[2] "الاستاذ فی معرفت حجج اللہ علی العباد" کے مولف فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کی وفات نے حضرت فاطمہؓ کو جزع و اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا۔ جس کے سبب تیسرے بچے کا حمل ساقط ہو گیا۔

حسینؓ کے نام آنحضرتؐ نے رکھے تھے

حضرت امام حسینؓ کی ولادت کے بعد حضرت علیؓ نے ان کا نام "حرب" نامی رکھنا چاہا۔ اتنے میں رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ اور فرمایا۔

"میرا بچہ مجھے دکھاؤ! تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟"

حضرت علیؓ نے عرض کیا، "میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے"

آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

نہیں! اسکا نام حسنؓ رکھو!"

امام حسینؑ کی ولادت کے بعد بھی یہی صورت پیدا ہوئی۔ حضرت علیؓ نے ان کا نام حرب رکھنا چاہا۔ لیکن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام بدل دیا۔ اور اس کے بجائے حسینؓ رکھ دیا[3]

---

[1] المسعودی جلد ۲ صفحہ ۹۶ [2] منتخب الکنوز ——— بلاذری

[3] مسند امام بن حنبل

حسینؓ سے آپؐ کو بے حد محبت تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنؓ اور حسینؓ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ یہ دونوں رسول اللہؐ کی زندگی میں بہت کم سن تھے۔ آپؐ کی وفات کے وقت امام حسنؓ کی عمر ۸ سال کی تھی، اور امام حسینؓ تقریباً ۷ سال کے تھے[1]

عبداللہ بن شداد، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب یا عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے، گھر سے باہر نکلے اور حسنؓ اور حسینؓ دوشِ رسول پر سوار تھے۔ مسجد میں آکر انہیں گود سے اتار دیا۔ اور نماز کی تکبیر کہہ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے سجدہ غیر معمولی طور پر طویل کیا۔ میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ صاحبزادے آپ کی پشت مبارک پر جلوہ افروز ہیں۔ اور آپ سجدے میں ہیں۔ یہ دیکھ کر میں پھر سجدے میں چلا گیا جب نماز ختم ہو گئی۔ تو کسی صحابی نے پوچھا۔ یا رسولؐ اللہ! اس نماز میں آپؐ نے بہت طویل سجدہ فرمایا۔ ہم سوچنے لگے۔ کہ کوئی خاص بات ہے۔ یا پھر آپؐ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

نہیں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ نہ وحی آئی تھی۔

بلکہ میرا بچہ پیٹھ پر سوار تھا۔ مجھے یہ اچھا نہ معلوم ہوا۔ کہ سجدہ سے اٹھ کر اس کا کھیل بگاڑ دوں[2]

یا اللہ! تو بھی ان دونوں کو محبوب رکھ!

نور الدین علی بن محمدؒ جو ابن صباغ کے نام سے مشہور ہیں۔ فصول المہمہ میں زیادہ بن ابی زیاد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ

---

[1] تیسیر الوصول ابی جامع الاصول جلد ۳ صفحہ ۸۵ [2] منہاج السنۃ النبویہ از امام ابن تیمیہ رح

رسول اللہؐ بیت عائشہ رضؓ سے باہر نکلے اور
بیت فاطمہ رضؓ کی طرف سے گزرے۔ آپؐ کے کان
میں حسین رضؓ کے رونے کی آواز آئی، آپؐ گھر کے اندر پہنچے
اور حضرت فاطمہ رضؓ سے فرمایا!
بیٹی! کیا تو نہیں جانتی! اس کے رونے سے مجھے
تکلیف ہوتی ہے [1]؟

براء بن عازب کہتے ہیں۔ میں نے دیکھا حسن رضؓ بن
علی رضؓ دوش مبارک پر سوار ہیں اور آپؐ فرما رہے ہیں!
یا اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی اس
سے محبت کر [2]۔

ترمذی نے اپنی سنن کے باب مناقب "حسن رضؓ و حسین رضؓ میں" اور بغوی نے "اپنی کتاب مصابیح السنۃ میں" مناقب اہل بیت کے ماتحت حسامہ بن زید کی یہ روائیت درج کی ہے۔ کہ

میں نے ایک ضرورت کے سلسلے میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ تشریف لائے
چادر میں کوئی لپٹی ہوئی چیز آپ کے ہاتھ تھی۔ مجھے بالکل
اندازہ نہ ہو سکا۔ کہ یہ کیا چیز ہے؟ جب میں عرض مدعا
سے فارغ ہوا تو میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ یہ چادر میں
لپٹی ہوئی کیا چیز ہے؟ آپ نے چادر اٹھائی تو دیکھتا کیا ہوں
کہ حسن رضؓ اور حسین رضؓ آپ کی گود میں موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا

---

[1] الفصول المہمہ صفحہ ۱۷۷ [2] تاریخ کبیر جلد ۴ صفحہ ۳۲۳

یہ دونوں میرے بچے ہیں۔ میری بچی کے "بیٹے"
یا اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی، ان
دونوں سے محبت کر! اور جو ان سے پیار کریں۔ انہیں بھی
تو محبوب رکھ!

انس بن مالک سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ سے فرمایا کرتے تھے۔
میرے بچے کہاں ہیں؟ لاؤ جب وہ دونوں حاضر کئے جاتے
آپ انہیں سینے سے لگا لیتے اور پیار کرتے۔

دوشِ رسولؐ کے سوار

ایک روز آپ مسلمانوں سے خطاب فرما رہے تھے۔ اتنے میں حسنؓ اور حسینؓ آ گئے۔ ان کے بدن پر لال رنگ کی قمیض تھی۔ چل رہے تھے، تو لڑکھڑاتے ہوئے۔ رسول اللہ نے فوراً منبر سے اتر کر دونوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھایا۔ پھر ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالےٰ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ کہ تمہاری
اولاد اور تمہارا مال، تمہارے لئے ابتلا کا سبب ہے۔
میں نے بچوں کی طرف دیکھا پل رہے ہیں۔ اور لڑکھڑا رہے
ہیں۔ ضبط نہ کر سکا۔ بات ادھوری چھوڑی اور انہیں
اٹھا لیا۔

ابو سعید خدری کی روایت ہے۔ کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں مشغول
تھے۔ کہ حسینؓ دوڑتے ہوئے آئے اور آپ کی گردن پر
سوار ہو گئے۔ جب آپ سجدے سے فارغ ہوئے۔ تو

انہیں گود میں لے لیا۔ اور جب تک رکوع میں نہ گئے، گود میں لیئے رہے۔ ابولیلیٰ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حسنؓ اور حسینؓ کو ایک مرتبہ دوش مبارک پر دیکھا بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا: تمہیں کتنا اچھا گھوڑا ملا ہے:

ابوعمرؓ بن عبدالبر القرطبی الاستیعاب[1] میں ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے۔ اور میں نے اپنے ان دونوں کانوں سے سنا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسینؓ کے دونوں شانے پکڑے ہوئے تھے۔ اور ان کے دونوں پیر آپؐ کے قدم مبارک پر تھے۔ آپؐ فرما رہے تھے۔ ترق ترق عین لقبہ (یعنی ہاں شاباش بیٹے چڑھ آؤ) اس کے بعد آپؐ نے حسینؓ کو اٹھا لیا۔ اور ان کے دونوں پاؤں آپؐ کے سینہ مبارک پر تھے۔ آپؐ نے حسینؓ سے فرمایا۔ اپنا منہ کھولو، پھر پیار کیا اور فرمایا۔

یا اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اسے محبوب رکھ!

حسینؓ کی فضیلت

علیؓ بن حسن بن عساکر اپنی تاریخ کبیر[2] میں کہتے ہیں۔

---

[1] الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ [2] تاریخ کبیر جلد ۴ صفحہ ۳۲۳

طبرانی جعفری بن محمد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنؓ اور حسینؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ سے بیعت لی۔ حالانکہ یہ لوگ کم سن تھے اور سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے۔ ان بچوں کے علاوہ اور کسی بچے سے بیعت نہیں لی۔[1]

حسینؓ مجھ سے ہے میں حسینؓ سے ہوں

ابن ماجہ نے اپنی سنن اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ[1] میں ابوالحسن علی ابن فخرالدین الاربلی نے کشف الغمہ[2] میں یعلی بن مرہ العامری کے حوالے سے روایت کی ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دعوت میں شرکت کے لئے گھر سے باہر نکلے۔ میں آپؐ کے ساتھ تھا۔ حسینؓ گلی میں اپنے ہم جولیوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ آپؐ آگے بڑھے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے حسینؓ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ رسولؐ اللہ انہیں ہنساتے رہے۔ یہاں تک کہ انہیں پکڑ لیا اور اپنا ایک ہاتھ ان کی گدی کے نیچے رکھا۔ اور دوسرا ٹھوڑی کے نیچے، پیار کیا۔ اور فرمایا۔

حسینؓ مجھ سے ہے۔ اور میں حسینؓ سے ہوں یا اللہ!

---

[1] تاریخ کبیر جلد ۴ صفحہ ۵۱۵ [2] کشف الغمہ صفحہ ۱۹۴

جو حسین سے محبت کرے تو مجھ سے محبت رکھو!

سلیمان، حسین البلخی، ینابیع المودۃ[1] میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان مبارک منہ سے باہر نکالتے اور حسینؓ کو دکھاتے، حسینؑ اس کی سرخی دیکھ کر اسے پکڑنے کے لئے لپکتے۔ علینہ بن نے عرض کیا میرا خیال ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے سے کھیل رہے ہیں۔ خدا کی قسم میں بھی ایک بچے کا باپ ہوں، لیکن میں نے کبھی اسے پیار نہیں کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جائے گا[2]۔

گذشتہ صفحات میں اخبار وسیر کی کتابوں سے ماخوذ بسط و تفصیل کے ساتھ ہم ایسے واقعات پیش کر چکے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے بے انتہا اور غیر معمولی محبت کرتے تھے۔

لامنس کا جھوٹ

لامنس کو ان واقعات کی صداقت اور صحت سے انکار نہیں۔ لیکن حسب معمول یہاں بھی وہ بڑی دور کی کوڑی لایا ہے۔ اولاد فاطمہؓ سے آنحضرتؐ کی غیر معمولی محبت اور تعلق خاطر کی توجیہہ وہ یہ کرتا

---

[1] ینابیع المودۃ صفحہ ۱۲۱ [2] مزید تفصیل کے لئے دیکھیں، سبط ابن الجوزی، الاستعاب ابن عبد البر، مسند احمد بن حنبل، انساب الاشراف بلاذری، طبری وغیرہ۔

ہے۔ کہ آپؐ کی خانگی اور ازدواجی زندگی خوشگوار نہ تھی۔ اسی وجہ سے ابنائے فاطمہؓ کے ساتھ کبھی کبھار دل بہلاوے کے لئے کچھ وقت صرف کر لیتے تھے۔ اور کسی حد تک ان کے ساتھ سیر و تفریح اور دلچسپی میں حصّہ لے لیتے تھے

لامنس نے یہ ایسی مہمل بات کہی ہے۔ کہ اس کی تردید کرنا، وقت ضائع کرنا ہے، اگر لئے کہ تاریخ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ کی ازدواجی زندگی بہت ہی خوشگوار تھی۔ اس سلسلے میں اگر ہم کتب سیرت کے اوراق کھنگالیں۔ تو کہیں کہیں سوئے تفاہم کی مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن یہ سوئے تفاہم آنحضرتؐ اور ازواجؓ مطہرات کے درمیان، کبھی بھی پیدا نہیں ہوا، ہاں خود ازواج مطہراتؓ کے مابین کبھی کبھی ایسی صورت ضرور پیدا ہوئی۔

آنحضرتؐ کی ازدواج مطہرات سے ناراضگی کا صرف ایک واقعہ کتب سیرت میں ملتا ہے، جس کی تائید قرآن بھی کرتا ہے۔ جب آپؐ کی بیویوں نے خانگی ضروریات کے لئے زیادہ رقم طلب کی۔ لیکن آپؐ چونکہ عسرت کی زندگی پر قانع تھے۔ لہذا یہ مطالبہ آپؐ پورا نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ازدواج مطہرات نے بالآخر اس مطالبہ سے دست برداری اختیار کرلی۔ یہ تھا پہلا اور آخری واقعہ، جس کا پھر کبھی اعادہ بھی نہیں ہوا۔

حسینؓ کو آپؐ اپنی اولاد سمجھتے تھے!

آنحضرتؐ ابنائے فاطمہؓ سے غیر معمولی محبت کرتے تھے۔ اسی لئے کہ فاطمہؓ آنحضرتؐ کو تمام بیٹوں اور بیٹیوں میں سے سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ یہ امتیاز صرف حضرت فاطمہؓ ہی کو حاصل تھا۔ کہ ان کی اولاد کو آنحضرت اپنی اولاد خیال کرتے تھے۔ کسی اور صاحبزادی کی اولاد کے بارے میں آپؐ نے اس طرح کا خیال کبھی ظاہر نہیں کیا۔ ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

خدائے بزرگ و برتر نے ہر نبی کی ذرّیت اس کے صلب سے

پیدا کی۔ لیکن میری ذرّیت علی رضؓ سے پیدا کی ہے حسن رضؓ اور حسین رضؓ کے بارے میں آپؐ فرمایا کرتے تھے۔ یہ دونوں دُنیا میں میرے ریحان ہیں۔ اور بعض مؤرخین حسن رضؓ اور حسین رضؓ کے بارے میں کہتے ہیں۔ کہ یہ دونوں اپنے نانا آنحضرتؐ سے غیر معمولی طور پر مشابہت رکھتے تھے۔ حسن رضؓ شکل و صورت کے اعتبار سے مشابہ تھے۔ اور حسین رضؓ تو سر سے پاؤں تک شبیہہ رسول تھے [2]

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے۔ کہ فاطمہ رضؓ اور ابوبکر رضؓ فرمایا کرتے تھے۔ کہ حسن رضی علی رضؓ سے مشابہت نہیں رکھتے تھے [3] (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رکھتے ہیں)

صحابہ رضؓ کی محبّت حضرت حسنین رضؓ سے

صحابہ کرام حسنین علیہما السلام سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہی تھی۔ کہ انہوں نے آنحضرتؐ کو ان سے محبت کرتے دیکھا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کا یہ عالم تھا۔ کہ وہ حضرت حسن رضؓ کی ناف کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ کیونکہ ایک مرتبہ آپؐ کو ایسا کرتے، انہوں نے دیکھا تھا [4]

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ایسے واقعات نظر سے گزرتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ حسنین رضؓ سے کس طرح کھیلا کرتے تھے۔ اور ان دونوں کو کس طرح اپنی ٹانگوں کے نیچے سے گزارتے تھے۔ حدیث ہے کہ نماز کے وقت ان دونوں کو اپنی پیٹھ پر چڑھ جانے دیتے۔ اور نماز کے بعد اپنے گھٹنوں پر بٹھا لیا کرتے۔ انہیں پیار کرتے، ان کی زبان چاٹتے تھے۔ اور اس کے علاوہ بھی بہت سی ایسی باتیں کرتے تھے، جن سے غیر معمولی محبّت ثابت

---

[1] مسند حنبل [2] انساب الاشراف صفحہ ۴۸۴ [3] مسند حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۴۶ — بلاذری ۵۸۸ [4] بخاری جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۴۱

ہوتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ ان دونوں کے وجود سے آپؐ کس درجہ مسرور تھے۔

یہ تمام واقعات اس دعوے کی دلیل قاطع ہیں" کہ آنحضرتؐ انبائے فاطمہؓ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ اور اس محبت کی بنیاد خود فاطمہؓ تھیں۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ آپ اپنی سب سے چھوٹی بیٹی[1] فاطمہؓ کو بہت زیادہ چاہتے تھے۔

آپؐ کسے زیادہ چاہتے ہیں؟ مجھےؓ یا فاطمہؓ کو

آنحضرتؐ کو حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنین علیہ السّلام سے کتنی زیادہ محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوگا۔ کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ آپؐ ہم دونوں میں سے کسے زیادہ چاہتے ہیں؟ مجھے یا فاطمہؓ کو، ظاہر ہے حضرت علیؓ کا یہ سوال" اس فخر و ناز کے سبب تھا۔ جو انہیں ذاتِ رسالت پناہ پر تھا۔ آپؐ نے کتنا بلیغ جواب دیا، فرمایا۔

"میں فاطمہؓ کو تم سے زیادہ چاہتا ہوں۔ اور تم مجھے فاطمہؓ سے زیادہ عزیز ہو"

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا۔

مجھے فاطمہؓ سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہے پھر علیؓ!

آنحضرتؐ ہر موقع پر اپنی بے پایاں محبت و شفقت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ علیؓ اور فاطمہؓ سے ملنے ان کے گھر گئے۔ دونوں بڑے بے خبر سو رہے تھے۔ حسن بھوک سے

---

[1] اس کتاب میں کسی جگہ ہم بتا چکے ہیں۔ فاطمہؓ آپؐ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ بعض مؤرخین کے نزدیک تیسری اور بعض کے نزدیک پہلی ہیں۔ لیکن یہ آخری قول بالکل غلط ہے۔

بلبلا رہے تھے ۔ اور رو رہے تھے ۔ فوراً آپؐ بکری کی طرف لپکے ، اس کا دُودھ دوہا ۔ اور بچے کو اتنا پلایا کہ وہ سیر ہو گیا ۔ لیکن آپؐ نے ازراہِ محبت یہ گوارہ نہ کیا ۔ علیؓ یا فاطمہؓ میں سے کسی کو جگا دیں ۔ آپؐ کی خواہش تھی ۔ کہ دونوں آرام سے سوتے رہیں ۔ ان کے آرام میں خلل نہ پڑے ۔

علیؓ اور فاطمہؓ کی گھریلو زندگی

علیؓ اور فاطمہؓ کے گھر پر جب ، ہم ایک نظر ڈال لیتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں کی زندگی سکون اور سادگی کا نمونہ تھی ۔ بلاشبہ دولت کا کال تھا ۔ اور غربت گھر میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھی ۔ لیکن دونوں کی روحی زندگی بھرپور سکون تھی ۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے حالات سازگار ہوئے ۔ غزوات میں اضافہ ہوا ، مال غنیمت کے ڈھیر لگنے لگے ۔ اب رسول اللہؐ کے لئے ممکن ہوا ۔ کہ محبوب بیٹیؓ کے سالانہ گزارے کے لئے کچھ مقرر کر دیں تاکہ خانگی مصارف اور تربیت اولاد کا کچھ بوجھ ہلکا ہو ۔ ورنہ اس سے پہلے عسرت و فلاکت کی زندگی تھی ۔ اور دونوں میاں بیوی صبر و شکر کے ساتھ گزار رہے تھے ۔ اب حالات سدھرنے کے بعد کچھ تھوڑی سی کشائش پیدا ہوئی تھی ۔ لیکن صبر و شکر اب بھی کار فرما تھا ۔

ابوسفیانؓ فاطمہؓ کے دروازے پر

سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ اس لشکر کے ساتھ تھیں جو فتح مکہ کے لئے آگے بڑھ رہا تھا ۔ آج وہ مکہ سر تسلیم خم کر رہا تھا ۔ جس نے صدائے توحید کو دبانے اور کچلنے میں اپنا سارا زور صرف کر دیا تھا ۔ آج وہ لوگ سر جھکائے کھڑے تھے ، جنہوں نے آنحضرتؐ کو تکلیف دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا ۔ آج اسی مکہ کے در و دیوار خیر مقدم کر رہے تھے ۔ جنہوں نے محمدؐ اور فاطمہؓ کو ترک وطن پر مجبور کر دیا تھا ۔ اس موقع پر اس واقعہ کا ذکر دینا ضروری ہے ۔ کہ فتح مکہ سے کچھ پہلے ابوسفیان ، حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ کیونکہ قریش نے اپنی غلطی محسوس کر لی تھی ۔ ان پر یہ بات ظاہر

ہوگئی تھی۔ کہ نقص عہد کی سزا انہیں ملے گی۔ اور ضرور ملے گی۔ ان کے جرائم اب معاف نہیں کئے جا سکتے۔ ابوسفیان کے بھیجنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجدید صلح اور تازیر جنگ پر آمادہ کرے۔ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے پاس بھی گیا۔ لیکن انہوں نے اسے منہ بھی نہ لگایا مایوس ہوکر بیت فاطمۃ الزہراؑ پر دستک دی۔ اور ان سے استدعا کی کہ اپنے والد کی جناب میں انہیں جو اثر و رسوخ حاصل ہے۔ اسے کام میں لائیں! اور معافی دلا دیں! وہ یہ امید لے کر حضرت فاطمہؑ کے پاس گیا تھا۔ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات پر آمادہ کر لیں گی۔ کہ وہ قریش کو درگزر کر دیں۔ اور ان کے ساتھ سختی و درشتی کا برتاؤ نہ کریں۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ حضرت فاطمہؑ اپنے والد کی جناب میں کس درجہ صاحب اثر و رسوخ تھیں۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی، تو قریش کا زعیم کبیر بھکاری بن کر ان کے پاس نہ پہنچتا۔ اور انہیں بیچ میں ڈالنے کی کوشش نہ کرتا۔ حضرت فاطمہؑ نے ابوسفیان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے فرمایا، "میں اس معاملے میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ رسول اللہ پر کوئی شخص دباؤ نہیں ڈال سکتا۔" ابوسفیان واپس آگیا۔

۱۵

حادثۂ عظیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال اُمّت کے لئے ایک حادثۂ عظیم اور مصیبت کبریٰ تھا۔ اس سے بڑی مصیبت اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ اتنا بڑا سانحہ تھا، جس کے تصوّر سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن جب یہ واقعہ ہوچکا تو سوائے صبر کرنے کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

حضرت فاطمہؓ کی تیمارداری

فاطمہؓ کے لئے یہ حادثہ اور زیادہ دل گداز اور جگر خراش تھا۔ وہ ہر دکھ اور مصیبت کا ہنسی خوشی اور ہر حادثہ و سانحہ کا صبر و شکر کے ساتھ مقابلہ کرسکتی تھیں۔ لیکن اس ہستی کی ہمیشہ کے لئے جدائی، جس نے انہیں پالا پوسا تھا۔ زندگی کے ہر مرحلے پر جس کی شفقت و محبت سے وہ بہرہ ور ہوئیں۔ جو ان کی تکلیف دیکھ کر کڑھتا اور مسرت دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ ایسا حادثہ تھا جس نے ان پر ہمیشہ کے لئے سوگواری طاری کردی۔ پھر نہ وہ مسکرائیں، اور نہ کسی خوشی میں حصّہ لیا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ ان کی زندگی اسی دن ختم ہوگئی تھی۔ جس دن رسول اکرمؐ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تھا۔ آنحضرتؐ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ بیماری نے شدّت اختیار کی۔ تو آپؐ کی خواہش تھی۔ کہ بیت عائشہ میں رہیں۔ ازواج مطہراتؓ نے آپ کی مرضی بھانپ لی۔ اور رضاکارانہ طور پر عائشہ کے حق میں دست بردار ہوگئیں۔ لیکن ایک ہستی ایسی تھی۔ جو کسی قیمت پر بھی اپنے حق سے دست بردار نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ حضرت فاطمہؓ تھیں وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ساری مدّت علالت، آپؐ کی بیٹی سے جدا نہیں ہوئیں۔

مرض کا اشتداد

فاطمہؓ پوری سرگرمی اور مستعدی سے آپؐ کی دیکھ بھال اور خدمت

میں لگی ہوئی تھیں۔ جب مرض نے اور زیادہ شدت اختیار کی۔ تکلیف بڑھی تو صورت یہ تھی۔ کہ آپؐ اپنے دستِ مبارک میں پانی لیتے سر پر ڈالتے اور فرماتے "کس قدر تکلیف ہے۔

فاطمہؓ بنتِ محمدؐ اپنے محبوب باپؐ کی یہ کیفیت دیکھ کر کڑھتی تھیں۔ دل میں جذبات کا طوفان اور آنکھوں میں آنسوؤں کا تلاطم مضطرب، لیکن خاموش پھر بھی آپ کی تکلیف دیکھ کر بے ساختہ ان کے منہ سے نکل جاتا تھا۔

میرے باپؐ! کاش آپؐ کا یہ دکھ میرے حصے میں آجاتا۔"

آپؐ نہایت سکون سے یہ تکلیف برداشت کر رہے تھے۔ فاطمہؓ کے یہ الفاظ سن کر ان کی دل دہی کی۔ انہیں تسلی دی، اطمینان دلایا اور کہا۔

بیٹی! آج کے بعد تیرے باپؐ کو کوئی تکلیف نہ ہو گی۔

ایک روز فاطمہؓ باپؐ کی پٹی سے لگی بیٹھی تھیں آپؐ پر شدتِ مرض کی کیفیت طاری تھی۔ عائشہؓ بھی موجود تھیں۔ کہ آپؐ نے فاطمہؓ کو دیکھ کر فرمایا۔

"میری بچی! خوش آمدید"

پھر انہیں داہنی طرف بٹھایا۔ اور چپکے چپکے ان سے باتیں کیں۔ فاطمہؓ رونے لگیں پھر بائیں طرف بٹھایا۔ اور چپکے چپکے باتیں کیں۔ جنہیں سن کر فاطمہؓ ہنسنے لگیں۔

حضرت عائشہؓ کا حضرت فاطمہؓ سے سوال

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ حزن و مسرت کا اتنا ملا جلا آج کے سوا اور کسی دن میں نے نہیں دیکھا۔ میں نے فاطمہؓ سے پوچھا۔ رسول اللہ

نے تم سے کیا باتیں کیں ؟ فاطمہؓ نے جواب دیا۔ میں آپؐ کا راز فاش نہیں کر سکتی۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد فاطمہؓ نے بتا دیا۔ کہ وہ رازدانہ باتیں کیا تھیں ؟ کہنے لگیں ۔

آپ نے مجھے فرمایا۔ کہ ہر سال جبرائیلؑ ایک مرتبہ قرآن مجید سنایا کرتے تھے۔ لیکن اس مرتبہ انہوں نے دو مرتبہ سنایا۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا۔ کہ میری موت قریب آگئی ہے۔ اور میرے اہل بیت میں تم سب سے پہلے مجھ سے ملو گی۔ میرا تم سے پہلے چلا جانا کتنا اچھا ہو گا۔

یہ سن کر فاطمہؓ رونے لگیں۔ تو رسول اللہؐ نے فرمایا۔

کیا تم اس پر رضامند نہیں ہو؟ کہ اس اُمّت کی عورتوں کی سردار بنو ؟"!

"فاطمہؓ کہتی ہیں۔ اس بات پر میں خوش ہوئی اور مجھے ہنسی آگئی "

پھر میں نے رسول اللہؐ پر ایک نظر ڈالی وہ تکلیف سے نڈھال ہو رہے تھے۔ میں سمجھ گئی۔ کہ جدائی کی گھڑی آگئی ہے۔ اور آپؐ کا خدا سے ملنے کا وقت قریب آگیا ہے ۔

ہمیشہ کے لئے جدائی کا وقت

آنحضرتؐ کی کیفیت مرض دیکھ کر اور آپؐ کی جدائی کا وقت محسوس کر کے فاطمہؓ کے دل میں گریۂ بے اختیار کا طوفان اُٹھ رہا تھا۔ آنسو تھے۔ کہ امنڈے چلے آرہے تھے۔ لیکن جس طرح بنا انہوں نے اپنے اوپر قابو پا لیا۔ آنسو حلقۂ چشم سے باہر نہ نکلے آہ و فریاد کی صدا دہن مبارک سے باہر نہ آئی۔ اس اندیشہ سے کہ کہیں آپؐ نہ دیکھ لیں اور اس طرح آپؐ کو مزید تکلیف پہنچے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ زندگی کا سب سے بڑا اور دہشت ناک سانحہ آنکھ کے سامنے انجام پا رہا تھا۔ یہ اتنا بڑا بوجھ تھا۔ جو فاطمہؓ کی طاقت سے باہر تھا۔ لیکن خدا نے توفیق دی اور انہوں نے اُسے اٹھا لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کے لئے آسمان کے دروازے کھل چکے ہیں۔ خیر مقدم کے لئے ملائکہ موج در موج آگے بڑھ رہے ہیں۔ کہ آپؐ کی روح مبارک کے جلو میں چلیں، رحمت رضوان اور جوارِ الٰہی کی بشارت دیں۔ آخر کار وہ کریم و طاہر رُوح مَلاءِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی اور اپنے رب کے حضور میں جا پہنچی۔

غم والم ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ فاطمہؓ بنتِ محمدؐ کی آنکھوں سے سیلاب اشک بہنے لگا۔ واقعی آج فاطمہؓ کے دُکھ اور غم مداوا کون کر سکتا تھا؟ آج ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہ باپؐ بچھڑ گیا، جو رؤف و رحیم تھا، شفیق و مہربان تھا۔ اس کی جدائی نے کوہِ الم سر پر ڈال دیا۔ آج وہ مصیبت پیش آئی تھی جس کے سامنے ہر مصیبت ہیچ ہے۔ آج خدا کا آخری رسولؐ اور فاطمہؓ کا شفیق باپؐ ہمیشہ کے لئے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اب زندگی بھر یہ آنکھیں اس کا دیدار نہ کر سکیں گی۔ اور نہ یہ کان اس کی آواز سن سکیں گے۔ پھر اگر یہ بات ہے۔ تو یہ زندگی ختم کیوں نہیں ہو جاتی؟ وہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے، جو آپؐ کے بغیر بسر ہو؟ آپؐ کی وفات نے فاطمہؓ سے سکون و راحت کی نعمت چھین لی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اوراقِ اطمینان و سعادت بکھر چکے ہیں۔ زندگی کا سکون رخصت ہو چکا ہے۔ اب غم ہے جو ساتھ دے گا۔ آنسو ہیں، جو ساتھ رہیں گے۔

مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ آپؐ کی وفات کے بعد فاطمہؓ کے ہونٹ کبھی تبسم سے آشنا نہ ہوئے یہاں تک کہ ایک روز وہ آپؐ سے جا ملیں۔

فاطمہؓ تربتِ رسولؐ پر! آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ وہ آپ کی قبر پر حاضر ہوئیں، قبر کی تھوڑی سی مٹی ہاتھ میں اٹھائی، اُسے چہرے اور آنکھوں پر ملا، رونے لگیں، روتی جاتیں اور کہتی جاتی ہیں۔

ماذا علی من شم تربت احمد
الا یشم مدی الزمان غوالیا
صبت علی مصائب لو انها
صبت علی الایام صرن لیالیا

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی مٹی سونگھ لینے کے بعد، پھر کسی خوشبو کی ضرورت نہیں رآپؐ کے بعد مجھ پر مصائب کے وہ پہاڑ ٹوٹ گئے۔ کہ اگر دنوں پر یہ مصائب پڑتے تو راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

دُکھ درد کی کہانی

ان اشعار میں حضرت فاطمہؓ نے اپنے دکھ درد کی ساری کہانی بیان کر دی ہے۔ جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد آپؓ کو مصائب پہنچانے لگے۔ فاطمہؓ کو اپنے والدین سے اتنی زیادہ محبت تھی۔ کہ وہ پرستش کے قریب قریب پہنچ گئی تھی۔ وہ حضرت حمزہؓ سے بھی بہت محبت کرتی تھیں، کیونکہ انہوں نے بڑے نازک وقت پر آنحضرتؐ کی امداد و اعانت کی تھی۔ کفار مکہ جب اسلام کو فنا کرنے اور داعیٔ اسلام کی جان لینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ وہ حمزہؓ ہی تھے، جو مردانہ وار آگے بڑھے اور اپنے بھتیجے کے پشت پناہ بن گئے۔ حضرت فاطمہؓ آنحضرتؐ کی تربت پر اکثر تشریف لے جایا کرتیں جب آتیں، تو بڑی دیر تک ٹھہرتیں۔ آنسو بہتے، ہچکی بندھ جاتی، یہ منظر دیکھ کر، دیکھنے والوں کی آنکھیں بھی آنسو بہانے لگتیں۔

مرثیہ کے اشعار

حضرت فاطمہؓ آپؐ کی قبر کے پاس آکر، مرثیہ کے یہ اشعار ضرور پڑھا کرتی تھیں۔

اغبر آفاق السّماء و کورت
شمس النهار و اظلم العصران
والارض من بعد النبی کئیبة
اسفا علیه کثیرة الاحزان
فلیبکه شرق البلاد و غربها

آسمان کی وسعتوں پر گرد و غبار اٹھا ہوا ہے سورج لپیٹ دیا گیا ہے۔ اور دُنیا اندھیر ہو گئی ہے۔ رسول کے بعد "یہ دنیا" مجسمہ غم والم بن گئی ——————
اور رحلتِ رسولؐ پر وہ سوگوار و غمگین

ولتبکہ مصرو کل یمان
یا خاتم الرسل
المبارکُ صنو لاصلی
علیکُ منزالقرآنٗ

ہوگئی ہے۔ اور اس غم میں تو مشرق و مغرب کو آنسو بہانا چاہئیں! اور اہلِ مصر اور یمن والوں کو چاہیئے! کہ اس غم میں آنسوؤں سے جل تھل بھر دیں۔ اے خاتم النبیین! جن پر قرآنِ حکیم نازل ہوا۔ اللہ کی رحمت نازل ہو! ان پر

حضرت فاطمہؓ کا یہ مرثیہ سن کر سننے والوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی دل میں غم والم کا طوفان مچلنے لگتا۔ مسلمان ان کا رونا دیکھ کر اپنا غم بھول جاتے۔ یہاں سے پلٹ کر آپؓ اپنے گھر آئیں۔ بایہ چشم گریان، اور با قلب مضطرب!

انسؓ بارگاہِ فاطمہؓ میں

ایک مرتبہ انسؓ بن مالک آپؐ کے خادم خاص حضرت فاطمہؓ کے پاس تعزیت اور تسلی کے لئے آئے۔ حضرت فاطمہؓ نے ان سے کہا۔ انسؓ یہ تو بتاؤ! تمہارے دل نے یہ کیسے گوارا کیا۔ کہ رسولؐ اللہ کا جسم مبارک زمین کو دو؟ یہ سن کر انسؓ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اور پیکرِ غم والم بنے ہوئے واپس آگئے۔ [1]

بہر حال جو ہونا تھا۔ وہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریمؐ کو جوارِ اعلیٰ میں بلا لیا۔ آپ کی رُوح کریم انبیاء اور اصفیا کے گروہ میں پہنچ گئی۔ فاطمہؓ پر اس حادثے کا جو صدمہ گزرا۔ اس کا ذکر آ چکا ہے۔ آپؐ کی دُودھ پلائی اُمّ ایمنؓ پر بھی اس سانحہ کا اثر پڑا۔ وہ بھی بہت روئیں۔ اس غم نے انہیں اتنا نڈھال کر دیا۔ کہ جنبش کرنے کی طاقت نہ رہی، بات کرنے کی سکت نہ رہی۔ ایک مرتبہ جب حالت ذرا سنبھلی اور گریۂ بے پناہ کا سبب دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے کہا میں

---

[1] طبری ——— مسند امام حنبل

جانتی تھی۔ رسول اللہؐ اس دنیا سے تشریف لے جائیں گے۔ لیکن رونا مجھے اس بات پر آتا ہے۔ کہ آسمان سے وحی آنے کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ہاں! رسول اللہؐ نے وفات پائی"۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ امّ ایمن اس کے بعد ایک طویل عرصہ تک زندہ رہیں۔ انہوں نے صدیق اکبرؓ کا عہد خلافت دیکھا۔ فاروق اعظمؓ کا دور خلافت دیکھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ جب شہید ہوئے وہ پھر روئیں اور بے ساختہ ان کے منہ سے قاتل کے بارے میں نکل گیا۔ اس کم بخت نے اس مرتبہ اسلام کو تاکا تھا"۔ آخر ایک روز جب انقطاع وحی کو مدت گزر گئی۔ اور اخبار سماوی کا شوق بڑھتا ہی رہا تو ان کی روح بھی اس دنیا سے رخصت ہوکر، آسمان میں پہنچ گئی۔ اور وہ اپنے بیٹے محمدؐ بن عبداللہ کے پہلو میں دفن ہوگئیں!

۱۶

حضرت فاطمہؓ اور اہلِ بیت کا ذکر بخاری و مسلم میں

حدیث کی کتابوں میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم مستند ترین کتابیں مانی جاتی ہیں۔ بخاری کو تو اصح الکتب، بعد کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب مانا جاتا ہے صحیح مسلم کے استناد کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اب میں ان دونوں کتابوں میں سے وہ حدیثیں منتخب کر کے ذیل میں درج کرتا ہوں۔ جو حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور امام حسنؓ و امام حسینؓ کے بارے میں، بخاری اور مسلم نے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ ان احادیث کے مطالعہ سے اندازہ ہو جائے گا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم، حضرت فاطمہؓ سے کس درجہ محبت فرماتے تھے؟ حضرت علیؓ کے ساتھ ان کی محبت کا کیا عالم تھا؟ جوانانِ جنت کے سردار حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ سے آپؐ کے تعلق خاطر اور محبت و شفقت کی کیا کیفیت تھی؟

(یہ حدیثیں میں نے اضافہ کی ہیں۔ اسی لیے اس باب کو بریکٹ سے شروع کیا ہے۔ اور بریکٹ پر ختم کیا۔ تاکہ قارئین کو التباس نہ ہو۔ اور وہ اسے فاضل مؤلف البوالنصرؔ کی کی عبارت نہ سمجھ لیں)

(رئیس احمد جعفری)

۱

"ابوتراب" آنحضرتؐ کا عطا کردہ خطاب تھا

ابو حازم سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص حضرت سہیلؓ بن سعد کے پاس آیا۔ اور اس نے کہا: "فلاں شخص" یعنی امیر مدینہ حضرت علیؓ کو منبر پر برا کہتا ہے۔ حضرت سہلؓ نے کہا۔ وہ کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا۔ کہ وہ انہیں ابوتراب کہتا ہے۔ حضرت سہلؓ ہنس پڑے۔ انہوں نے کہا۔ کہ خدا کی قسم یہ نام تو ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا ہے۔" اور جس قدر یہ نام انہیں پسند تھا۔ کوئی اور نام انہیں پسند نہ تھا۔ پھر میں نے پوری حدیث، حضرت سہلؓ سے دریافت کی۔ میں نے ان سے کہا۔ اے ابوالعباس! یہ واقعہ کیوں کر ہوا تھا؟ انہوں نے کہا کہ (ایک دن) حضرت علیؓ، فاطمہؓ کے پاس گئے۔ پھر باہر نکل آئے۔ اور مسجد میں لیٹ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حضرت فاطمہؓ سے) پوچھا چچا کے بیٹے کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا۔ مسجد میں۔ پس آپؐ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ تو ان کی چادر کو دیکھا۔ کہ پیٹھ سے گر گئی تھی۔ اور پیٹھ میں مٹی بھر گئی تھی۔ آپؐ ان کی پیٹھ پونچھتے جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ اے ابوتراب! "اٹھ بیٹھو!" دو مرتبہ (ایسا ہی) فرمایا۔[1]

پارہ چودھواں، فضائل علیؓ، صحیح بخاری جلد ۲ حدیث نمبر ۷۹۱، صفحہ ۱۰۲

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۱۴

(۲)

علیؓ اور فاطمہؓ کو رسول اللہؐ کی تلقین

حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ کہ حضرت فاطمہؓ نے اس تکلیف کی شکایت کی۔ جو چکی پیسنے کے سبب سے انہیں ہوتی تھی۔ پھر آپؐ کے پاس کچھ قیدی آئے۔ حضرت فاطمہؓ آپؐ کے پاس گئیں، مگر انہوں نے آپؐ کو نہ پایا۔ اور عائشہؓ کو پایا۔ عائشہ سے انہوں نے بیان کیا کہ میں اس لئے آئی تھی، پھر جب تشریف لائے تو عائشہ نے آپؐ سے فاطمہؓ کے آنے کا حال بیان کیا۔ آپؐ ہمارے یہاں تشریف لائے۔ اس وقت ہم اپنی خواب گاہ میں لیٹ چکے تھے میں نے چاہا۔ کہ اٹھوں، آپ نے فرمایا تم دونوں اپنی جگہ پر رہو! آپؐ ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ میں نے آپؐ کے پیروں کی ٹھنڈک اپنے سینے پر پائی۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسی بات کی نہ تعلیم کروں؟ جو اس سے بہتر ہے۔ جس کی تم نے خواہش کی ہے۔ جب تم اپنی خواب گاہ میں جاؤ، تو چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو! بتیس مرتبہ سبحان اللہ! اور تینتیس بار الحمد للہ کہو! یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔

(۳)

حضرت فاطمہؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی روایت

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہؓ کو اپنے اس مرض میں جس میں آپؐ نے وفات پائی۔ بلوا بھیجا۔ اور ان سے کوئی بات آہستہ سے کہی تو وہ رونے لگیں۔ پھر آپؐ نے ان کو بلایا۔ اور کوئی بات آہستہ سے کہی، جس پر وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ میں نے فاطمہؓ سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا

مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آہستہ سے یہ خبر دی تھی۔ کہ آپؐ اس مرض میں وفات پا جائیں گے۔ تو میں روئی، پھر آپؐ نے آہستہ سے خبر دی۔ کہ میں ان کے اہلِ بیت میں سب سے پہلے ان سے ملوں گی۔ تو میں ہنس دی۔

(۴)

فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے!

حضرت مسورؓ بن مخرمہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ فاطمہؓ میرا پارۂ گوشت ہے، جو اسے غصہ دلائے گا۔ وہ مجھے برہم کرے گا۔

(۵)

حضرت فاطمہؓ سے آپؐ کا تعلق خاطر

حضرت مسور بن مخرمہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت علیؓ نے ابو جہل کی بیٹی سے منگنی کی۔ یہ بات فاطمہؓ نے سنی۔ وہ آپؐ کے پاس گئیں۔ اور کہا کہ آپؐ کی قوم کا خیال ہے۔ کہ آپؐ اپنی بیٹیوں کی حمایت میں غصہ نہیں کرتے اور اس وجہ سے علیؓ ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ پس رسولؐ خدا کھڑے ہو گئے۔ میں سن رہا تھا۔ جس وقت آپؐ نے تشہد کے بعد فرمایا۔ اما بعد! میں نے ابوالعاصؓ بن ربیع سے اپنی ایک بیٹی کا[1] نکاح کر دیا تھا تو ابوالعاصؓ نے جو بات مجھ سے کی سچ کی۔ اور بے شک! فاطمہؓ میرا پارۂ گوشت ہے اور میں اس بات کو گوارہ نہیں کرتا۔ کہ اسے رنج پہنچے، خدا کی قسم! رسولؐ اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی، ایک شخص کے پاس نہیں رہ سکتیں۔ پس علیؓ نے اس منگنی کو ترک کر دیا۔

---

[1] مراد حضرت زینبؓ بنتِ رسولؐ اللہ ہیں

دوسری روایت میں علی بن حسینؓ (یعنی امام زین العابدین) سے مروی ہے۔" وہ حضرت سعدؓ سے روایت کرتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔ میں نے نبیؐ کو کہتے سنا۔ آپؐ نے اپنے ایک داماد کا ذکر کیا۔ جو قبیلہ بنی عبد شمس سے تھا۔ اور دامادی میں ان کی تعریف کی اور عمدہ تعریف کی۔ آپؐ نے فرمایا انہوں نے جو بات مجھ سے کہی۔ وہ سچ کہی۔ اور جو وعدہ مجھ سے کیا پورا کیا۔

(۶)

فاطمہؓ بنتِ محمدؐ کی مثال

علیؓ (بن مدینی)، کہتے ہیں۔ مجھ سے سفیانؓ بیان کرتے تھے۔ کہ میں زہری کے پاس مخزومی عورت کا قصہ پوچھنے گیا۔ تو مجھ پر خفا ہوئے۔ میں نے سفیان سے پوچھا۔ کیا تم نے یہ واقعہ کسی سے نہیں سنا؟۔ انہوں نے کہا نہیں، میں نے اسے ایک کتاب میں دیکھا جسے ایوب ابن موسیٰ نے بحوالہ زہرہ "عروہ" حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ بنی مخزوم میں سے ایک عورت نے چوری کی تو لوگوں نے کہا۔ کہ کون ہے جو اس کے بارے میں آپؐ سے گفتگو کرے۔ پس کسی نے اس بات کی جرأت نہ کی۔ کہ آپؐ سے کچھ کہے مگر اسامہ بن زید نے آپؐ سے کہا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ بنی اسرائیل کا دستور تھا۔ کہ جب کوئی شریف آدمی ان میں سے چوری کرتا تھا۔ تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا۔ تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتے۔ اور اگر فاطمہؓ [۱] اس موقع پر ہوتیں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

---

[۱] یعنی فاطمہ بنتِ محمدؐ

(۷)

حسنؓ سے آپؐ کی محبت

حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں۔ کہ میں نے آپؐ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا اور حسنؓ آپؐ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کبھی آپؐ لوگوں کی طرف دیکھتے تھے۔ اور کبھی ان کی طرف دیکھتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ یہ میرا بیٹا سردار ہے۔ اور امید ہے۔ کہ اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ ا

(۸)

حضرت حسینؓ آپؐ سے بہت زیادہ مشابہ تھے

حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں۔ کہ عبید اللہ ابن زیاد کے پاس حسینؓ کا سر لایا گیا اور وہ ایک طشت میں رکھا گیا۔ تو ابن زیاد آنکھ اور ناک میں لکڑی مارنے لگا۔ اور ان کی خوبصورتی میں کچھ کلام کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت انسؓ نے کہا۔ کہ یہ سب سے زیادہ آپؐ کے مشابہ تھے۔ اور حسینؓ کے (سر اور داڑھی میں) وسمہ کا خضاب کیا ہوا تھا۔

(۹)

حضرت حسنؓ کے بارے میں آپؐ کا ارشاد

حضرت براءؓ کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ حسنؓ بن علیؓ آپؐ کے شانے پر تھے۔ آپؐ فرماتے تھے۔ کہ اے اللہ! میں اسے دوست رکھتا ہوں، پس

ا صحیح مسلم جلد دوم

تو بھی اسے دوست رکھ۔

(۱۰)

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت حسنؓ

عقبہ بن حارث کہتے ہیں۔ میں نے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا۔ انہوں نے حسنؓ کو اُٹھا لیا۔ اور کہہ رہے تھے۔ کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہو جائیں! (تم) نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مشابہ ہو۔ علیؓ سے مشابہ نہیں (ہو) اور علی ہنستے رہے۔

(۱۱)

ابنِ عمرؓ اور حضرت حسینؓ

ابن ابی نعم کہتے ہیں۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سُنا۔ ان سے کسی شخص نے محرم[1] کی بابت پوچھا۔ کہ اگر وہ مکھی کو قتل کر دے؟ (تو کیسا ہے) حضرت ابن عمرؓ نے کہا۔ اہلِ عراق مکھی کے قتل کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صاحبزادی کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ جن کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تھا۔ کہ یہ دونوں میری دنیا کی آرائش ہیں۔"

(۱۲)

اہلِ بیت کے لئے آپؐ کی وصیت

یزید بن حیان کہتے ہیں۔ کہ میں اور حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلم تینوں آدمی زیدؓ بن ارقم کے پاس گئے۔ جب ہم ان کے پاس بیٹھ گئے۔ تو حصین نے بن ارقم سے کہا زیدؓ خدا نے تمہیں بہت سی بھلائیاں عطا فرمائی ہیں تم نے آپؐ کو دیکھا ہے۔ آپؐ کی باتیں

---

[1] حج کے لئے جو شخص احرام باندھے اسے محرم کہتے ہیں۔

سُنیں ہیں۔ آپ کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ اور تم نے آپؐ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ تم نے بہت سی بھلائیاں حاصل کی ہیں۔ کوئی حدیث ہمیں بھی سُناؤ۔ جو آپؐ سے سُنی ہو۔ زیدؓ بن ارقم نے کہا بھتیجے! میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ زمانہ کافی گزر چکا ہے۔ اور جو باتیں آپؐ کی میں نے دل و دماغ میں محفوظ کی تھیں۔ ان میں سے کچھ بھول گیا ہوں۔ میں تم سے جو بات بیان کروں اسے قبول کر لینا۔ اور جو بیان نہ کروں، اس پر مجھے مجبور نہ کرنا۔ ایک روز آپؐ خم کے چشمے پر" جو مکّہ اور مدینے کے درمیان واقع ہے۔ ہم لوگوں کے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے۔ اوّل خدا کی حمد و ثنا کی۔ وعظ و نصیحت کی پھر فرمایا۔ لوگو! سنو میں ایک بشر ہوں۔ عنقریب میرے پروردگار کا قاصد" مجھے بلانے آئے گا۔ اور میں اس کی دعوت قبول کر لوں گا۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ان میں ایک تو خدا کی کتاب ہے۔ جس کے اندر ہدایت اور نور ہے۔ تم خدا کی کتاب مضبوط پکڑے رہنا۔ اور اس پر عمل کرنا! یہ فرما کر۔ آپ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی لوگوں کو رغبت دلائی۔ اور کتاب اللہ پر قائم رہنے کی ترغیب دی۔ اس کے بعد فرمایا دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ اہلِ بیت کے معاملہ میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ دہرائی[۱]۔ حصین نے زیدؓ بن ارقم سے دریافت کیا اہل بیت سے کیا مراد ہے؟ کیا آپؐ کی ازواج مطہرات اہلِ بیت میں سے نہیں ہیں؟ زیدؓ بن ارقم نے کہا! اہلِ بیت میں وہ داخل ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ راوی نے پوچھا۔ وہ کون لوگ ہیں؟ زیدؓ نے بتایا وہ علیؓ کی اولاد و عقیلؓ کی اولاد، جعفرؓ کی اولاد اور عباسؓ کی اولاد ہیں۔ حصین نے پوچھا کیا ان سب لوگوں پر صدقہ کا مال لینا حرام تھا؟ زیدؓ بن ارقم نے کہا ــــــ ہاں۔[۱]

---

۱ صحیح مسلم ۲۷۰

(۱۳)

ازدواجِ مطہراتؓ داخل اہلِ بیت نہیں

زیدؓ بن حیان کی روایت میں ہے۔ کہ زیدؓ بن ارقم نے حصین کے آخری سوال کا جواب یہ دیا۔ کہ خدا کی قسم ازدواج مطہراتؓ اہلِ بیت میں شامل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ عورت عرصہ دراز تک مرد کے ساتھ رہتی ہے۔ پھر مرد اُسے طلاق دے دیتا ہے اور وہ اپنے باپ اور قوم میں چلی جاتی ہے۔ اہلِ بیت سے مراد" صرف آپ کی نسل" اور عصبات ہیں"۔ جن پر صدقہ حرام تھا۔

(۱۴)

آنحضرتؐ کی حضرت علیؓ سے محبت

سہل بن سعد کہتے ہیں۔ مروان کے خاندان میں سے کسی نے ایک شخص کو مدینے کا حاکم مقرر کیا۔ اس حاکم نے سہل بن سعد کو بلا کر حکم دیا۔ تم علیؓ کو گالیاں دو! سہل نے انکار کر دیا۔ تو حاکم نے کہا گالیاں نہیں دیتے۔ تو ابو ترابؓ پر لعنت بھیجو! سہل نے کہا علیؓ کو ابو ترابؓ نام بہت محبوب تھا۔ اس نام سے انہیں پکارا جاتا۔ تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ حاکم نے کہا، پورا واقعہ سناؤ! علیؓ کا نام ابو تراب کیوں پڑا؟ سہل نے کہا۔ آپؐ فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے گئے تھے۔ اور علیؓ کو گھر میں نہ پا کر، پوچھا، ہمارا ابنِ عم کہاں ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا۔ میرے اور ان کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا ہے۔ وہ ناراض ہو کر چلے گئے ہیں۔ لہٰذا یہاں قیلولہ نہیں کیا۔ آپؐ نے آدمی سے کہا۔ جاؤ تلاش کرو! علیؓ کہاں ہیں؟ وہ شخص تھوڑی دیر میں آیا واپس اور عرض کیا وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ آپؐ تشریف لے گئے۔ تو دیکھا علیؓ لیٹے ہوئے تھے۔ اور ایک جانب ان کی چادر رکھی

ہوئی تھی۔ اور پہلو پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ آپؐ مٹی ان کے جسم سے جھاڑنے لگے اور فرمایا ابوتراب رضؓ اُٹھو، ابوتراب اُٹھو۔

(۱۵)

حضرت حسن رضؓ سے آپؐ کی مُحبّت

ابُوہریرہ رضؓ کہتے ہیں۔ آپؐ حضرت حسن رضؓ کی نسبت فرمایا کرتے۔ میں اس سے محبّت کرتا ہوں۔ اے اللہ تو بھی اسے محبُوب رکھ! اس شخص کو بھی محبوب رکھ جو اس سے محبّت کرے۔

(۱۶)

حضرت حسن رضؓ سے آپؐ کو بہت مُحبّت تھی

ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں۔ کہ دن کے ایک حصّے میں، میں آپؐ کے ہمراہ باہر نکلا، نہ تو آپؐ نے مجھ سے بات کی اور نہ میں نے آپؐ سے کلام، یہاں تک کہ آپؐ بنو قینقاع کے بازار میں پہنچے۔ پھر وہاں سے واپس آکر، حضرت فاطمہ رضؓ کے خیمہ پر تشریف لائے پوچھا بچّہ کہاں ہے؟ آپ کی مراد حسن رضؓ سے تھی۔ ہمارا خیال تھا۔ کہ شاید حسن رضؓ کی ماں نے نہلائے، اور لونگ وعود وغیرہ، خوشبوؤں کا ہار پہنانے کے لئے انہیں روک لیا ہے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر گذری تھی۔ کہ حسن رضؓ دوڑتے ہوئے آئے اور آپؐ سے لپٹ گئے۔ آپؐ نے انہیں سینے سے لپٹا لیا۔ اور فرمایا "اے اللہ میں اس سے محبّت کرتا ہوں۔ تو بھی اسے محبوب رکھ! اور اس شخص کو بھی جو اس محبّت کرے۔

(۱۷)

دوشِ رسولؐ کا سوار

براء بن رضؓ عازب کہتے ہیں: "میں نے حسن رضؓ بن علی رضؓ کو آپؐ کے کاندھوں پر سوار دیکھا۔ آپؐ فرما رہے تھے:"

یا اللہ! میں اسے محبوب رکھتا ہوں۔ تو بھی اسے محبوب رکھ!

(۱۸)

حسن رضؓ اور حسین رضؓ سے آپؐ کا لگاؤ

ایاس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ اپنے خچر پر حسن رضؓ اور حسین رضؓ کے ساتھ سوار تھے۔ اور میں خچر کے آگے تھا۔ یہاں تک کہ میں نے آپؐ کو آپؐ کے مکان پر پہنچا دیا۔ حسن رضؓ اور حسین رضؓ میں سے ایک آپؐ کے آگے بیٹھے تھے اور دوسرے پیچھے۔

(۱۹)

اہلِ بیت کے بچّوں سے آپؐ کی محبّت

عبداللہ بن جعفر رضؓ کہتے ہیں۔ آپؐ جب سفر سے واپس آتے، تو اہلِ بیت کے بچّوں سے ملتے۔ ایک مرتبہ آپ سفر سے واپس تشریف لائے۔ تو مجھے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے مجھے سواری پر اپنے آگے بٹھا لیا۔ پھر فاطمہ رضؓ کے لڑکوں میں سے ایک لڑکا لایا گیا۔ آپ نے اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ اور ہم تینوں سواری پر اسی طرح مدینہ میں داخل ہوئے۔

(۲۰)

حضرت خدیجہ رضؓ سے آپؐ کا تعلق خاطر

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں۔ ایک روز خدیجہ کی بہن ہالہ رضؓ بنتِ خویلد آئیں۔ اور حاضری

کی اجازت طلب کی۔ ان کی اجازت طلبی پر خدیجہؓ کا اجازت طلب کرنا یاد آگیا۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا! اے اللہ یہ ہالہ بنت خویلد ہیں۔ مجھے دیکھ کر رشک پیدا ہوا میں نے عرض کیا۔ یہ کیا آپ قریش کی ایک بڑی بی کا ذکر کیا کرتے ہیں جن کی پنڈلیاں پتلی پتلی تھیں۔ اور منہ میں دانت نہ تھے۔ اور جو عرصہ ہوا وفات پا چکی۔ اور خدا نے اس سے بہتر بدل آپ کو مرحمت فرما دیا ہے۔

(۲۱)

حضرت فاطمہؓ سے آپؐ کی محبت

مسورؓ بن مخرمہ کہتے ہیں۔ میں نے آپؐ کو منبر پر یہ فرماتے سنا۔ کہ مجھ سے ہشام بن مغیرہ کے بیٹے اپنی لڑکی کا نکاح علیؓ بن ابی طالب سے کر دینے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ انہیں اس کی اجازت نہ دوں گا۔ میں یہ اجازت نہیں دے سکتا۔ البتہ علیؓ بن ابی طالب پسند کریں۔ تو میری لڑکی کو طلاق دے دیں۔ اور پھر ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں۔ میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جو چیز اس کے لئے دکھ دینے والی ہے۔ میرے لئے بھی دکھ دینے والی ہے۔ اور جو چیز اسے اذیت پہنچانے والی ہے میرے لئے بھی اذیت ناک ہے۔

(۲۲)

حضرت فاطمہؓ کے بارے میں آپؐ کا اضطراب

مسورؓ بن مخرمہ کی روایت ہے۔ کہ علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی موجودگی میں ابوجہل کی لڑکی کو اپنے نکاح کا پیام دیا تھا۔ اس سلسلے میں، میں نے آپؐ کو یہ فرماتے سنا، فاطمہؓ مجھ سے ہے"۔ اور مجھے اندیشہ ہے۔ کہ کہیں اپنے دین کے بارے میں وہ فتنے

میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنے اس داماد کا ذکر کیا۔ جو بنو عبد شمس میں سے تھا۔ اور اس کی تعریف کی۔ اور اس کی خوشی کو سراہا۔ اور اس سلسلے میں فرمایا۔ اس نے جب مجھ سے گفتگو کی سچی بات کہی۔ اور مجھ سے جو وعدہ کیا۔ اسے پورا کیا۔ اس کے بعد اپنے اصل مسئلے کی طرف توجہ فرمائی۔ اور فرمایا۔ میں کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا۔ اور نہ کسی حرام چیز کو حلال کرتا ہوں۔ خدا کی قسم! خدا کے رسولؐ کی بیٹی اور خدا کے دشمن کی بیٹی، قیامت تک کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔"

(۲۳)

وقت آخر فاطمہؓ سے آپؐ کا راز و نیاز

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ ایک روز آپؐ نے اپنی صاحبزادی فاطمہؓ کو بلا کر چپکے چپکے ان سے کچھ باتیں کیں۔ یہ سن کر فاطمہؓ رونے لگیں۔ پھر چپکے چپکے ان سے کچھ اور باتیں کیں۔ یہ باتیں سن کر فاطمہ ہنسنے لگیں۔ میں نے فاطمہؓ سے پوچھا۔ آپؐ نے تم سے کیا باتیں کیں۔

جواب میں کہا۔ آپؐ نے پہلے اپنی وفات کی خبر دی جسے سن کر میں رونے لگی۔ پھر آپؐ نے بات کی۔ تو بتایا کہ اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے آکر ملو گی! یہ سن کر میں خوش ہو گئی۔ اور ہنسنے لگی۔[1]

---

[1] ۱ سے ۱۲ تک کی احادیث صحیح مسلم، جلد دوم کتاب الفضائل سے لی گئی ہیں (رئیس احمد جعفری)

۱۷۔

فاطمہؓ اور ابوبکرؓ و عمرؓ!

آنحضرتؐ کی وفات اور خلافت کے لئے، حضرت ابوبکرؓ کی بیعت پر ۱۸ گھنٹے گذر گئے۔ بظاہر تاریخ اسلام میں یہ ایک چھوٹی سی مدت ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ تاریخ اسلام میں اس سے زیادہ نازک گھڑی" اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے کبھی نہیں آئی۔ اس موقع پر اگر مسلمان اختلاف باہمی میں مبتلا ہو جاتے۔ گروہوں، اور جماعتوں میں بٹ جاتے۔ عصبیت اور تفرقے کے شکار ہو جاتے، ہر شخص اپنے اپنے قبیلے کا ساتھی بن جاتا، تو کوئی شبہ نہیں" محمدؐ کا نور بجھ جاتا۔

وحدتِ ملی لیکن اس نازک وقت پر آنحضرتؐ کی دی ہوئی تربیت کام آئی وحدتِ ملی ہر قیمت پر قائم رکھی گئی۔ اجتماعی فیصلہ کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی ساکھ قائم رہی۔ ان کے دبدبے میں فرق نہیں آیا۔ ان کی ہوا خیزی نہیں ہوئی۔ وہ اجتماعی قوت کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ اور چند سال کے قلیل عرصے میں ساری دنیا پر چھا گئے۔ اس وقت چمکتے ہوئے سورج کے نیچے ان سے زیادہ طاقتور کوئی قوم نہ تھی۔

بنو ہاشم حضرت ابوبکرؓ کی بیعت خلافت کے بعد بیت فاطمہؓ میں مجتمع ہوئے۔ حضرت علیؓ اور بنو ہاشم نے ابوبکرؓ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ ان کے مقابلے میں، وہ اپنے آپ کو خلافت کا سزاوار اور حق دار سمجھتے تھے۔ اس مسئلہ پر گفتگو کے وقت علیؓ نے ابوبکرؓ سے کہا۔

حضرت علیؓ اور ابوبکرؓ کی گفتگو خلافت کا تم سے زیادہ مستحق میں ہوں۔ یہ نہیں،

ہو سکتا۔ کہ میں تمہاری بیعت نہ کروں۔ البتہ تم کو یہ ضرور چاہیئے! کہ میری بیعت کر لو۔ یہ خلافت تم نے انصار کی تائید سے حاصل کی ہے۔ تم نے انہیں رسول اللہ سے اپنی قرابت کا ذکر کر کے ساکت کر دیا۔ اور ہمارا حق غصب کر لیا۔ کیا تم وہی نہیں ہو؟ کہ تم نے انصار سے کہا تھا کہ امر خلافت کے انصار کے مقابلہ میں تم زیادہ مستحق ہو۔ کیونکہ محمدؐ تم میں سے تھے۔ یہ سن کر انصار چپ ہو گئے۔ انہوں نے تمہاری قیادت تسلیم کر لی۔ اور تمہیں اپنا امیر مان لیا۔ اب اس وقت میں وہی دلیل دیتا ہوں۔ جو تم نے انصار کے سامنے پیش کی تھی۔ رسول اللہ کی زندگی اور موت میں ہم ان کے سب سے قریب تھے۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو انصاف کرو ورنہ ظالم قرار دیئے جاؤ گے۔"

"یہ سن کر عمر فاروقؓ نے کہا۔"

"جب تک آپ بیعت نہ کریں۔ یہاں سے جا نہیں سکتے۔"

حضرت علیؓ نے جواب دیا۔

"میں تمہاری بات نہیں مان سکتا۔ میں بیعت نہیں کروں گا۔"

"ابوبکرؓ نے کہا اگر تم بیعت نہیں کرتے۔ تو میں تمہیں مجبور کرنا نہیں چاہتا۔"

ابوعبیدہ رض بن جراح رض کا خطاب علی رض سے

ابوعبیدہ رض بن جراح رض نے علی رض کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اے ابن عم! تم ابھی نوجوان ہو۔ یہ لوگ (ابوبکر رض و عمر رض) تمہاری قوم کے بڑے بوڑھے ہیں۔ تمہارا تجربہ اور معرفتِ امور ان لوگوں جتنی نہیں ہے۔ میری رائے میں، جہاں تک منصب خلافت کا تعلق ہے۔ ابوبکر رض تم سے زیادہ موزوں ہیں۔ وہ تمہارے مقابلے میں خوبی کے ساتھ یہ بوجھ اٹھا سکیں گے۔ ایسا کرو ابوبکر رض کے ہاتھ پر بیعت کر لو پھر زندگی رہی تو اپنے فضل، دین، علم و فن، سبقت اسلام، خاندان، قرابتِ رسول ص وغیرہ کے اعتبار سے تم سے بڑھ کر اس منصب کا سوا تمہارے کون مستحق ہو گا؟

حضرت علی رض کا جواب

علی رض نے جواب دیا۔ اللہ اللہ! اے گروہِ مہاجرین! محمد کو جو اقتدار حاصل تھا وہ ان کے گھر والوں سے نہ چھینو! خدا کی قسم، اے گروہ مہاجرین اہلِ بیت دوسروں کے مقابلے میں اس منصب کے زیادہ سزاوار ہیں۔ اگر کتاب اللہ کا قاری، دینِ الٰہی کا فقیہہ، سنّت رسول ص کا عالم اور شریعت کا واقف، امورِ سینہ کا دافع، انصاف اور برابری کے ساتھ تقسیم کرنے والا کوئی ہے۔ تو ہم ہی میں سے ملے گا۔ ان کی پیروی نہ کرو، ورنہ اللہ کے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔

اور حق سے دور جا پڑو گے۔!

"یہ سن کر بشیر بن سعد انصاری نے کہا:"

"اے علیؓ اگر انصار نے ابوبکرؓ کی بیعت کرنے سے پہلے تمہاری بات سن لی ہوتی۔ تو پھر تم پر متفق ہو جاتے!"

اسی طرح انصار کے لوگ حضرت فاطمہؓ سے عرض کرتے تھے۔

اے بنتِ رسول اللہ! ہم ابوبکرؓ کی بیعت کر چکے اگر آپ کے ابن عم نے، ہمارے پاس آنے میں سبقت کی ہوتی، تو ہم ہرگز ان سے روگرداں نہ ہوتے!"

علیؓ اس طرح کی باتوں کے جواب میں کہتے تھے۔

یہ کیوں کر" ممکن تھا۔ کہ نعش رسولؐ گھر میں چھوڑ کر تدفین و تکفین سے پہلے میں مسئلہ خلافت کا فیصلہ کرنے آجاتا؟

اور حضرت فاطمہؓ فرماتیں کہ

"ابوالحسنؓ (علی) نے جو کچھ کیا" انہیں یہی کرنا چاہیئے تھا۔ دوسروں نے جو کچھ کیا وہ جانیں اور خدا!"

حضرت عمرؓ کا ردّ یہ سخت کیوں تھا؟

حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا کہ اگر مسئلہ خلافت پر کامل اتفاق نہ ہو سکا۔ تو عرب اختلاف کا مرکز بن جائے گا۔ ارتداد پھیلے گا۔ اور بغاوت کے شعلے جزیرۃ العرب کے طول و عرض میں پھیل جائینگے۔ ضروری ہے کہ مسلمانوں کی وحدت قائم رکھی جائے۔ ان کی وحدت پراگندہ نہ ہونے دی جائے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں توحید کلمۃ المسلمین کے لئے ان کا ردّ یہ سخت درشت تھا۔ کہ بنو ہاشم

خلیفہ اوّل کی بیعت کر لیں۔ چنانچہ ابوبکرؓ اور چند دوسرے لوگوں کے ساتھ بیت فاطمہؓ کی طرف چلے۔ کہ حضرت علیؓ سے بیعت کا مطالبہ کریں۔ ان لوگوں کی آواز سن کر حضرت فاطمہؓ نے بلند آواز سے کہا۔

یارسولؐ اللہ! آپؐ کے بعد، خطاب اور ابن ابی قحافہ سے ہمیں بہت دُکھ پہنچا ہے۔

ابوبکرؓ و عمرؓ بیت فاطمہؓ میں

لوگوں نے جب حضرت فاطمہؓ کی آواز اور گریہ سنی۔ تو وہ خود روتے ہوئے لوٹ گئے۔ بعض فاطمہؓ کے رونے سے ان کے دل پھٹے جارہے تھے۔ اور جگر کے ٹکڑے ہوئے جارہے تھے حضرت عمرؓ کو بھی بہت صدمہ ہوا۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا۔"

"آیئے فاطمہؓ کے پاس چلیں۔ ہم نے انہیں برہم کر دیا ہے۔"

یہ دونوں بابِ فاطمہؓ پر پہنچے۔ اذن حاضری طلب کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے اجازت نہیں دی۔ یہ دونوں علیؓ کے پاس پہنچے۔ ان سے گفتگو کی۔ وہ دونوں کو لے کر فاطمہؓ کے پاس آئے۔ یہ دونوں ان کے پاس بیٹھ گئے۔ فاطمہؓ نے انہیں دیکھ کر دیوار کی طرف مُنہ پھیر لیا۔ ان دونوں نے سلام کیا۔ فاطمہؓ نے جواب نہ دیا۔ ابوبکرؓ نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

ابوبکرؓ کی فاطمہؓ سے گفتگو

رسول اللہ کی بیٹی بیٹی! خدا کی قسم رسولؐ اللہ کی قرابت مجھے اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔ اپنی بیٹی عائشہؓ سے زیادہ میں آپؓ کو عزیز رکھتا ہوں۔ جس دن آپؓ کے والدؐ کا انتقال ہوا۔ میری تمنا تھی، کہ میں بھی مر جاتا اور پھر زندہ نہ ہوتا۔ کیا آپؓ نہیں دیکھتیں؟ کہ مجھے آپؓ کا

اور آپؓ کے فضل و شرف کا پورا پورا اعتراف ہے۔ بلاشبہ آپ کے حق میراث میں جو رسول اللہ سے آپ کو پہنچ سکتی تھی میں اڑے آیا۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہے، کہ میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

"ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا۔ جو کچھ ہم چھوڑیں گے صدقہ ہے!"

حضرت فاطمہؓ کا جواب

فاطمہؓ نے جواب دیا۔ کیا میں تم سے رسول اللہؐ کی ایک حدیث بیان کروں۔ کیا تم اُسے مانو گے۔ اور اس پر عمل کرو گے؟

دونوں نے جواب دیا ہاں ضرور ——— !

حضرت فاطمہؓ نے فرمایا۔

میں تم کو خدا کی قسم دیتی ہوں کیا تم نے رسول اللہ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ فاطمہؓ کی خوشی میری خوشی، فاطمہؓ کی ناراضگی میری ناراضگی ہے، جو میری بچی فاطمہؓ سے محبت کرتا ہے، مجھ سے کرتا ہے۔ جو فاطمہؓ کو راضی رکھتا ہے وہ مجھے راضی رکھتا ہے۔ جو فاطمہؓ کو ناراض رکھتا ہے وہ مجھے ناراض رکھتا ہے۔

دونوں نے جواب دیا۔

ہاں آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ رسول اللہؐ کے منہ سے ہم نے یہ الفاظ سنے۔

فاطمہؓ نے فرمایا۔

میں خدا کو اور اس کے ملائیکہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں۔ کہ
آپ دونوں نے مجھے رنجیدہ کیا ہے۔ راضی نہیں رکھا اور جب
میں رسول اللہ سے ملوں گی۔ تو آپ دونوں کی شکایت ضرور
کروں گی۔

ابوبکرؓ خلافت سے دستبرداری پر آمادہ ہو گئے

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ بے تحاشہ رونے لگے باہر آئے۔ لوگوں سے کہا۔ کہ وہ ان کی بیعت توڑ دیں۔ لیکن لوگ اس پر آمادہ نہ ہوئے نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایک عرصے تک یہی صورت حال قائم رہی۔ یہاں تک کہ حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا۔

۱۸

آنحضرتؐ کی اولاد کی تفصیل

لامنس ؔ نے اپنی کتاب " نبات محمدؐ " میں " آنحضرتؐ کی اولاد کے سلسلے میں غلط بیانیاں کی ہیں - اور " فاطمہ بنتِ محمدؐ " کے مؤلف ابونصر عمر نے اس سلسلے میں جو بحث و گفتگو کی ہے اس کے مطالعہ کے بعد بھی صورتِ حال کچھ زیادہ واضح نہیں ہوتی - لہٰذا " البدایہ والنہایہ " کے ایک باب کا ترجمہ کر کے ، میں درج ذیل کرتا ہوں - اس میں معلومات بھی زیادہ ہیں اور نسبتاً وضاحت کے ساتھ کا ذکر آگیا ہے !

(رئیس احمد جعفری)

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے - کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تمام اولاد سوا ابراہیمؓ کے جو ماریہؓ بنتِ شمعون قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے ، حضرت خدیجہؓ کی کے بطن سے تھی -

قاسمؓ

ابن عباسؓ کی روایت ہے - کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صاحبزادے " قاسمؓ " ! آپؐ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے - پھر زینبؓ پھر عبداللہ ، پھر ام کلثومؓ ، پھر فاطمہؓ پھر طیبؓ ، پھر رقیہؓ ، قاسم کا انتقال ہوگیا - آپؐ کی اولاد میں یہ سب سے پہلی میت تھی - جو مکے میں ہوئی - پھر جب عبداللہ کا انتقال ہوا تو عاص بن وائل سہمی نے کہا :

" محمدؐ کی نسل منقطع ہوگئی - اور وہ ابتر ہیں ! "

اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی :

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ -

ابراہیمؓ پھر مدینہ میں ماریہ کے بطن سے ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ یہ واقعہ ماہ ذی الحج ۸ھ کا ہے۔ وفات کے وقت ابراہیمؓ کی عمر اٹھارہ ماہ کی تھی۔

ابن عباسؓ کی ایک اور روایت میں ہے۔ کہ عبداللہؓ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آنحضرتؐ کے ہاں تولد ہوئے، اس کے بعد عرصہ تک کوئی لڑکا نہیں پیدا ہوا۔ ایک مرتبہ آپؐ کسی شخص سے گفتگو کر رہے تھے۔ عاص بن وائل آپؐ کی طرف تک رہا تھا۔ کہ کسی نے آپؐ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا

"یہ کون شخص ہے؟"

عاص نے جواب دیا

"یہ ابتر، یعنی منقطوع النسل ہے"

جس آدمی کے ہاں پہلی اولاد کے بعد، دوسری اولاد میں عرصہ گزر جاتا تھا۔ قریش اسے ابتر کہتے تھے۔ اس پر اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ" نازل ہوئی۔

عبداللہ کے بعد جو اولاد آپؐ کے ہاں ہوئی۔ اس کی ترتیب یہ ہے۔

اولادِ نبیؐ کی تفصیل

۱	زینبؓ
۲	رقیہؓ
۳	قاسمؓ
۴	طاہرؓ
۵	مطہرؓ
۶	طیبؓ
۷	مطیبؓ

۸ امّ کلثوم رضؓ
۹ فاطمۃ الزہرا رضؓ، جو آپؐ کی اولاد میں سب سے چھوٹی تھیں

فاطمہ رضؓ سے خدیجہ رضؓ کی غیر معمولی محبت

حضرت خدیجہ رضؓ کا معمول تھا کہ جب کوئی بچّہ ہوتا تو اسے دایہ کے سپرد کر دیتیں۔ لیکن جب فاطمہ رضؓ پیدا ہوئیں، تو انہیں دُودھ پلانے کے لئے کسی دایہ کے سپرد نہیں کیا۔

آپ کی کنیّت ابوالقاسم تھی

زبیر رضؓ بن بکار اپنے چچا مصعب رضؓ بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ قاسم رضؓ و طاہر رضؓ حضرت خدیجہ رضؓ کے بطن سے تھے۔ طاہر رضؓ کو طیب بھی کہتے تھے۔ یہ آپ کے مبعوث ہونے کے بعد پیدا ہوئے۔ اور عالمِ طفولیت ہی میں انتقال کر گئے۔ ان کا نام عبداللہ تھا۔ محمد بن فضالہ کی روایت ہے۔ کہ قاسم رضؓ کا جب انتقال ہوا تو وہ پاؤں پاؤں چل لیتے تھے۔ لیکن عبداللہ طفولیت کے عالم میں گذر گئے۔ ابن بکار کہتے ہیں۔ کہ تمام اہل بیت میں حضرت خدیجہ رضؓ طاہرہ کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ قاسم رضؓ انہی کے بطن سے ہوئے اور انہی کے نام پر آپؐ نے اپنی کنیّت ابوالقاسم رکھی۔ عبداللہ کو طیب و طاہر بھی کہتے تھے۔ یہ نبوّت کے بعد پیدا ہوئے اور صغر سنی میں انتقال کر گئے۔ قاسم رضؓ کا انتقال مکّہ میں ہوا۔

حضرت زینب رضؓ

عبدالرزاق ابن جریح کی روایت کے مطابق حضرت زینب رضؓ بناتِ رسول اللہؐ میں سب سے بڑی تھیں اور فاطمہ رضؓ سب سے چھوٹی اور ماں کی لاڈلی اور باپؐ کی چہیتی تھیں۔ زینب رضؓ کا انتقال ۸ھ میں ہوا۔ عروہ کی روایت ہے کہ حضرت زینب رضؓ جب ہجرت کو چلیں تو ایک آدمی نے انہیں دھکا دے دیا جس سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں۔ اس حادثہ سے حمل ساقط ہو گیا۔ پھر یہ تکلیف بعد میں بھی باقی رہی۔ اور اسی سبب سے وفات ہوئی۔ چنانچہ ان کی وفات شہادت کی موت مانی جاتی ہے۔

حضرت رقیہ رضؓ رقیہ رضؓ اور ام کلثوم رضؓ کی شادی پہلے پہل ابولہب کے بیٹوں سے ہوئی۔ جو ان کے ابن عم بھی تھے۔ لیکن رخصتی سے پہلے طلاق ہوگئی۔ کیونکہ یہ دونوں رسول اللہ صلعم کی ذات اور ان کے دعویٰ نبوت سے حد درجہ بغض رکھتے تھے۔ بعد میں عثمان رضؓ بن عفان رضی اللہ عنہ سے رقیہ رضؓ کی شادی ہوگئی اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ روانہ ہوگئیں۔ یہ پہلی مہاجر خاتون تھیں۔ کچھ عرصے بعد میاں بیوی مکہ واپس آگئے۔ اور یہاں سے پھر مدینے دوبارہ ہجرت کی۔ یہاں رقیہ رضؓ کے بطن سے عثمان رضؓ کا لڑکا عبداللہ پیدا ہوا۔ جو چھ سال زندہ رہا۔ اتفاق سے مرغی نے اس کی آنکھ میں چونچ ماردی جس سے اس کا انتقال ہوگیا۔ حضرت عثمان رضؓ کی کنیت پہلے پہل اسی نام پر "ابوعبداللہ" تھی پھر اپنے دوسرے بیٹے عمر کے نام پر ابوعمر رضؓ رکھ لی۔ رقیہ رضؓ کا انتقال اس دن ہوا جب معرکۂ بدر میں خدا نے آپ صلعم کو فتح عطا فرمائی۔ زید بن حارث جب یہ خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے تو رقیہ رضؓ کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ عثمان رضؓ آنحضرت صلعم کے حکم کے مطابق رقیہ رضؓ کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں ٹھہر گئے تھے۔ شریکِ جنگ نہیں ہوئے تھے۔ لیکن آپ صلعم نے مال غنیمت میں ان کا حصّہ دوسرے مجاہدوں کی طرح رکھا۔

حضرت ام کلثوم رضؓ پھر جب آپ صلعم بدر کے معرکہ سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو حضرت عثمان رضؓ کی شادی رقیہ رضؓ کی بہن ام کلثوم رضؓ سے کردی اس دوگانہ اعزاز کے باعث عثمان رضؓ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ ۹ھ میں ام کلثوم رضؓ کا بھی انتقال ہوگیا۔ ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلعم نے اس موقع پر فرمایا۔

"اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو اسے بھی حضرت عثمان رضؓ سے بیاہ دیتا!"

حضرت فاطمہ رضؓ کی صاحبزادیاں فاطمہ رضؓ کی شادی ان کے ابن عم علی رضؓ سے ماہِ صفر ۲ھ میں ہوئی۔ ان کے بطن

سے حسنؓ و حسینؓ (اور ایک روایت کے مطابق محسنؓ بھی) پیدا ہوئے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔

ابراہیمؓ کے خصائص

ابراہیمؓ جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ یہ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن زیاد کی روایت ہے۔ کہ جبرائیل علیہ السلام اس موقع پر آئے۔ انہوں نے رسول اللہؐ سے کہا۔

السلام علیکم یا ابا ابراہیم! ——— اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ایک فرزند ماریہؓ کے بطن سے عطا کیا ہے! اور حکم دیا ہے کہ آپؐ اس کا نام ابراہیم رکھیں!

انسؓ سے بن مالک کہتے ہیں کہ ابراہیم کی وفات عہد طفولیت ہی میں ہوگئی۔ پھر اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے اور زندہ اس لیے نہیں رہے کہ آنحضرتؐ آخر الانبیاء تھے۔ ابراہیمؓ کی وفات کے وقت آپؐ نے فرمایا۔

اس بچہ کو بقیع میں دفن کردو۔ اس کی دایہ جنت میں اس کی وضاعت پوری کریگی۔

انسؓ کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہؐ سے زیادہ اپنے عزیزوں پر مہربان کسی اور کو نہیں دیکھا۔ ابراہیمؓ کا ابھی دودھ نہیں بڑھایا گیا تھا۔ ہم لوگ آپؐ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ کہ آپؐ گھر میں داخل ہوئے۔

آپؐ نے ابراہیم کو گود میں لیا، پیار کیا اور واپس آگئے۔

ابن ابی اوفیٰ کہتے ہیں۔ کہ ابراہیمؓ کا صغر سنی میں انتقال ہوگیا۔ اگر آنحضرتؐ کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری رہنے والا ہوتا تو وہ ضرور زندہ رہتے۔ جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر ابراہیمؓ زندہ رہتا تو نبی ہوتا!"

ابو شیبہ انسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ جب ابراہیم کی وفات ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔

"اسے ابھی کفن میں نہ لپیٹو۔ ذرا میں دیکھ لوں!"

پھر آپؐ تشریف لائے، اور رو پڑے، شدت گریہ کے باعث آپؐ کی ریش مبارک ہل رہی تھی، اور لب مبارک کانپ رہے تھے۔

ابراہیمؓ کی وفات پر آپؐ کا تاثر

اسماء بنت یزید کہتی ہیں۔ جب ابراہیمؓ کی وفات ہوئی تو آنحضرتؐ رو دیئے اور فرمایا۔

"آنکھ سے آنسو بہتے ہیں، دل رنجور ہے۔ ہم کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے جو مرضی مولا کے خلاف ہو۔ مگر ہاں اس کا وعدہ سچا ہے۔ ہم میں آخری شخص پہلے شخص سے ملنے والا ہے۔ ابراہیمؓ تمہاری وفات کا ہمیں بہت زیادہ غم ہے اور تمہارے غم میں اے ابراہیمؓ ہم رنجور ہیں!"

سورج گرہن

ابراہیمؓ کی وفات کے دن سورج گہن میں آگیا تھا۔ لوگوں نے چرچا کیا۔ سورج ابراہیمؓ کے حادثہ وفات کے سبب گہن میں آگیا ہے!"

یہ سن کر آپؐ نے ایک خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا۔

چاند اور سورج اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں ان کا گہن میں آنا کسی کی موت یا زندگی کے باعث نہیں ہوا کرتا!"[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ مطبوعہ مصر صفحہ ۳۰۶ تا ۳۱۱

۱۹

زندگی کے آخری چھ مہینے

حضرت فاطمہؓ بنتِ محمدؐ اس کی مستحق تھیں۔ کہ راحت و عافیت کی زندگی بسر کریں خوشی و شادکامی کے ساتھ رہیں۔ وہ سردارِ خاتونِ اسلام تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا جگر گوشہ تھیں۔ اور خود اپنی ذات سے طیب و طاہر تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پرستش کی حد تک محبت کرتی تھیں۔ پھر جب اللہ نے آپؐ کو اپنے پاس بلا لیا۔ تو ان کے جذبات اور عواطف پر سوگواری اور افسردگی چھا گئی۔ ان کی زندگی یکسر حسرت و حرمان بن کر رہ گئی۔ اب ان کی زندگی کا صرف ایک مشغلہ تھا۔ باپؐ کی یاد۔ محبوب اور محبت کرنے والے باپؐ کی یاد۔

گذرا ہوا زمانہ

جب کبھی وہ گذرے ہوئے زمانے پر نظر ڈالتیں۔ تو خدیجۃ الکبریٰ یاد آجاتیں۔ یہ عین اس وقت دنیا سے رخصت ہوئیں۔ جب رسول اللہؐ کو سب سے زیادہ ان کی نصرت، اعانت اور تائید و حمایت کی ضرورت تھی۔ فاطمہؓ یہ سوچتے سوچتے کبھی ماضی بعید پر نظر ڈالتیں، کبھی ماضی قریب پر ہر طرف موت ہی کی کارفرمائی نظر آتی تھی۔ جس نے ان کے بھائیوں کو چھینا، بہنوں کو چھینا۔ ان سب کے بعد بس ایک رسولؐ کی ذات تھی، جس کے دامن میں فاطمہؓ کو وہ سب مل گیا تھا۔ جو بیٹی، ماں، بہن، بھائی سے پا سکتی ہے۔ لیکن زمانہ یہ سکھ بھی نہ دیکھ سکا۔ رسولؐ اللہ بھی اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور اب فاطمہؓ اکیلی تھیں۔

فاطمہؓ کی زندگی پر ایک نظر

فاطمہؓ کی زندگی پر نظر ڈالیے تو وہ اس درخت سایہ دار کے مانند نظر آتی ہیں جو

جلتے تپتے ہوئے صحرا کے بیچ میں آفتاب کی تمازت اور دُھوپ کی حدت سے جل رہا ہو۔ لیکن جس کے سائے میں لوگ آرام اور سکھ کی نعمت حاصل کر رہے ہوں۔ زمانہ نے اگر انصاف کیا ہوتا اور ان کے ساتھ حسن وفا کا سلوک کیا ہوتا، تو ان سے بڑھ کر راحت و عافیت کی زندگی اور کس کی ہوتی؟

وفاتِ رسولؐ کے بعد رسول اللہؐ کی وفات کے بعد فاطمہؓ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوتی۔ گم سم، اگر کچھ سوچتی تھیں تو باپؐ ہی کے بارے میں، زبان پر اگر کسی کا نام تھا تو محمدؐ کا۔ انہوں نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا تھا۔ کہ صبح و شام تربتِ پدر کی زیارت کریں۔ آنکھوں سے آنسو بہتے ہوتے دل کے ٹکڑے اشک خون فشاں کی صورت میں حلقۂ چشم سے باہر نکلتے۔ لرزاں اور تپاں بیٹھی رہتیں۔ اس وقت تک بیٹھی رہتیں، جب تک دل کا بوجھ کسی حد تک کم نہ ہو جاتا۔ پھر اٹھتیں اور اپنے گھر چلی جاتیں۔

افسردہ اور مضمحل بے قرار اور مضطرب کسی طرف نظر اٹھا کر دیکھتیں نہ کوئی چیز انہیں اپنی طرف کھینچتی، جسم پہلے ہی سے نحیف و ضعیف تھا۔ اس غم نے اور زیادہ اسے گھلا دیا دل پہلے ہی سے نازک تھا۔ اور زیادہ کمزور ہو گیا۔ آخر زندگی کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ اور رسول اللہؐ کی آخری یادگار موت کی طرف خراماں خراماں بڑھی، جوانی کا عالم اور موت سے غفلت شباب اور موت، لیکن یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ فاطمہؓ دنیا کے مصائب جھیل کر اپنے رب کی طرف ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ جا رہی تھیں۔

حضرت فاطمہؓ کی وفات حضرت فاطمہؓ کی وفات سہ شنبہ کی رات کو رمضان کے مہینہ ۱۱ھ میں ہوئی۔ وفات کے وقت آپؓ کی عمر صرف اٹھائیس (۲۸) سال کی تھی۔ بقیع کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا حضرت علیؓ نے نماز پڑھائی۔

مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ وفاتِ رسولؐ کے بعد فاطمہؓ صرف چھ ماہ زندہ رہیں بعض مؤرخین نے کچھ کم و بیش بھی بتایا ہے لے

لیکن صحیح قول تو یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد فاطمہؓ صرف چھ ماہ زندہ رہیں اور وفات کے وقت ان کی عمر اٹھائیس ۲۸ سال تھی۔

حضرت علیؓ کا مرثیہ

مسعودی نے لکھا ہے!
کہ حضرت علیؓ جب حضرت فاطمہؓ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے اور گھر واپس آئے تو ان پر غم و الم اور اضطراب و بے قراری کا عجیب عالم طاری تھا۔ اسی موقعہ پر انہوں نے فرمایا۔

ارى علل الدنيا علىّ كثيرة
وصاحبها حتى اعمات عليل
لكل اجتماع من خليلين فرقة
وكل الذى دون الفراق قليل
وان افتقادى فاطما بعد احمد
دليل على ان لا يدوم خليل

میں دیکھتا ہوں دنیا کی آفتوں نے مجھ
ہر چار طرف سے گھیر لیا ہے اور جو ان کا شکار ہو
جاتا ہے، وہ مرنے کے وقت تک بیمار رہتا ہے
دو دوست، جب باہم ہوتے ہیں، تو ان میں
فراق بھی ہوتا ہے۔ وہ زمانہ جو فراق سے
آشنا نہ ہو، مختصر ہوتا ہے۔ احمدؐ کے بعد فاطمہؓ
سے میری محرومی —— اس بات کی دلیل
ہے۔ کہ دوست ہمیشہ ساتھ نہیں دیتا۔

(یہ باب ختم کرنے سے پہلے بناتِ فاطمہؓ کا ذکر بھی
مختصر طور پر ہم کر دینا چاہتے ہیں)

لے یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۲۸ تا ۱۲۹ —— البلاذری —— ابن اثیر —— عبدالبر فی الاستیعاب و تہذیب المغوری البلاذری —— فی انساب الاشراف

ہالہؓ بنتِ زینبؓ سے معاویہؓ کا پیامِ نکاح

یعقوبیؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ حضرت فاطمہؓ کی تین بیٹیاں تھیں۔ لیکن یہ ضعیف قول ہے۔ کسی دوسری معتبر و مستند تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ رسول اللہؐ کی صاحبزادی زینبؓ کے بطن سے ہالہؓ ہوئی تھیں۔ وفات فاطمہؓ کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے شادی کرلی۔ پھر آپ کی شہادت کے بعد خاندان عبدالمطلب کے ایک ہاشمی شخص سے ان کی شادی ہوئی۔ معاویہؓ نے کوشش کی کہ ہالہؓ سے شادی کرلیں۔ پیامِ نکاح کے ساتھ ایک لاکھ دینار مہر کے بھیجے۔ لیکن ہالہؓ نے یہ رقم ٹھکرادی۔ پیام مسترد کردیا۔ اور اپنے خاندان کے ایک ایسے شخص سے شادی کی، جس کے بارے میں حضرت علیؓ نے بسترِ مرگ پر وصیت کی تھی کہ اس سے شادی کرلینا۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ معاویہؓ اہلِ بیت سے رشتہ اور تعلق کا پیوند کرنے کی فکر میں تھے۔ لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔

زینبؓ بنتِ فاطمہؓ کی دلیری

زینبؓ بنتِ فاطمہؓ اہلِ بیت میں جرأت و دلیری اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے یکتا تھیں۔ حادثۂ کربلا کے وقت اور اس کے بعد آپ نے جس دلیری اور بے باکی، ہمت و جرأت اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ کلمۂ حق کہا۔ تمام مورخین اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور یہ تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش باب ہے۔

---

[1] جلد ۲ صفحہ ۲۵۳ (یعقوبی)

علیؓ اور اہلِ بیت

کتاب ختم ہو رہی ہے، لیکن آخری صفحہ الٹنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ علیؓ، ذاتِ رسالت پناہ، نیز اہلِ بیت کرام کے ربط باہمی کا ایک دل آویز نقشہ بھی پیش کر دیا جائے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ذاتی رشتہ اور تعلق سے قطع نظر، نسبت نبویؐ کے باعث ان کا اظہار آپ کس طرح کرتے تھے اور ان سے کس طور پر متاثر ہوتے تھے؟ یہ تاریخ کا ایک نہایت اہم باب ہے۔ اور اسے کسی طرح، نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ایک ارشاد

جُدائی فاطمۃ زہرا رضؓ

تعزیت بخدمت پیغمبر صؐ

روی عنہ انہ قالہ عند دفن سیدۃ النساء فاطمۃ علیہا السلام کالمناجی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ عند قبرہ ط

روایت ہے۔ کہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی تدفین کے وقت آپ رضؓ نے یہ کلمات اس طرح فرمائے۔ گویا روضے پر آپ رسول اللہ سے راز و نیاز کی باتیں کر رہے ہیں۔

السلامُ علیکْ یا رسول اللہ عنی وعن ابنتکْ النازلۃ فی جوارکْ والسریعۃ اللحاق بکْ قل یا رسُول اللہ عن صَفیّتکِ صبری ورق عنھا تجلدی اِلّا ان لی فی التاسی لعظیم فرقتکْ وفادح مصیبتکْ موضع تعزٍّ فلقد وسدتکُ

یارسول اللہ صؐ! میری اور اپنی اس بیٹی کی طرف سے سلام قبول فرمایئے! وہ بیٹی جو آپ کے جوار میں آگئی ہیں۔ اور بہت جلد آپ صؐ سے ملحق ہوگئی ہیں۔ اے رسولِ خدا (ص)، میرا صبر (فاطمہ رضؓ) سے مفارقت وجدائی کے باعث کم ہوگیا ہے۔ اور میری طاقت و توانائی ان کی جدائی کے باعث ہاتھ سے جاتی رہی۔ لیکن میرے صبر کے لئے یہ کافی ہے کہ میں نے آپ صؐ کی جدائی پر صبر و شکیبائی سے کام لیا، میں نے

في الملحودة قبرك وفاضت
بين نحري وصدري
نفسك انا لله وانا اليه
راجعون - فلقد استرجعت
الوديعة واخذت
الرهينة اما حزني
فسرمد واما ليلي
فمسهد الى ان يختار الله
لي دارك التي
انت بها
مقيم
وستنبئك بنتك
بتضافر اُمتك على
على هضمها فاحفها
السؤال واستخبرها
الحال هذا ولم يطل
العهد ولم يخل منك الذكر والسلام
عليكما سلام مودع لا قال ولا سئم
فان انصرف فلا عن ملالة
وان اقم فلا عن سوء ظن
بما وعد الله الصابرين ہ

اپنے ہاتھوں سے آپ کو لحد میں اتارا
میرے ہی حلقوم و گلو کے درمیان آپ کی
جان تن سے باہر نکلی۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ہ
ہم خدا کے لئے ہیں اور خدا ہی کی طرف
لوٹنے والے ہیں۔ (فاطمہ) ایک ودیعت تھی
جو واپس لے لی گئی۔ ایک نشانی تھی جو
اٹھالی گئی۔ اب میرا حزن و ملال دائمی ہے
اب میری راتوں میں نیند کہاں؟ جب تک
خدائے عالم میرے لئے اس مقام (آخرت)
کا ارادہ کرے، جہاں آپ مقیم ہیں۔
عنقریب آپ کی صاحبزادی رضہ آپ
کو آگاہ کریں گی۔ آپ ان سے اچھی طرح
دریافت کر لیجئے، آپ میرے حالات کو
ان سے دریافت فرمائیے۔ حالانکہ ابھی
آپ کی وفات کو کچھ زیادہ مدت نہیں گزری۔
اور زمانہ آپ کی یاد سے خالی نہیں۔ آپ
اور آپ کی دختر رضہ پر میری طرف سے اسی
طرح سلام پہنچے جیسے کوئی شخص اپنے دوست
کو محبت کے باعث سلام کیا کرتا ہے، دل
تنگ خشمگین اور رنجیدہ ہو کر نہیں۔

پس اگر میں یہاں (زندہ) واپس آجاؤں تو یہ بے
تعلقی کی وجہ سے نہ ہوگا۔ اور اگر آپؑ کی زیارت کے لئے
ٹھہر جاؤں تو یہ اجر سے بدگمانی کے سبب نہیں ہوگا جس
کا خدائے تعالےٰ نے صبر کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے۔

ایک ارشاد

ذریّتِ رسولؐ کی حفاظت

جنگ صفین میں حضرت امام حسنؓ کی تیز دستی دیکھ کر امیر المومنینؓ پریشان ہو گئے۔ کہ کہیں آپ کی جان نہ چلی جائے۔ یہ جذبہ صرف ایک باپ کا نہیں تھا۔ بلکہ اُمتِ محمدیہ کے ایک فرد کا بھی تھا۔ جس کا یہ فرض تھا۔ کہ ذریّتِ رسولؐ کو مٹنے نہ دے۔

فی بعض ایام صفین و قد رایٰ الحسن رضؓ ابنہ علیہ السلام یتسرّع الی الحرب ؕ

املکوا عنی ھذا الغلام لا یھدّنی فاننی انفس بھذین (یعنی الحسنؓ والحسینؓ علیہما السّلام) علی الموت لئلاّ ینقطع بھما نسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ؕ

جنگ صفین میں امیرالمومنینؓ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ حضرت امام حسنؓ آپ کے فرزندارجمند جنگ میں بہت زیادہ تیز دستی کا مظاہرہ فرما رہے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔

(لوگو) اس لڑکے کی میری طرف سے حفاظت کرو، مبادا" اس کی ہلاکت مجھے چور چور کر دے۔ کیونکہ میں ان دونوں (حضرت حسنینؓ کی موت کے بارے میں بہت بخیل ہوں۔ (راضی نہیں ہوں) کیونکہ ان کی موت سے نسل رسولؐ کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا!

<u>ایک ارشاد</u>

فراقِ رسولؐ

یہ کلمات امیرالمومنینؑ نے اس وقت ادا فرمائے تھے۔ جب آپؑ نے رسول اکرمؐ کو غسل دیا تھا۔ اور کفن پہنایا تھا۔ ایک ایک لفظ عشقِ رسولؐ کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

بابی انت و امی رسول اللّٰہ لقد انقطع بموتك ما ينقطع بموت غيرك من النبوة و الانباء و اخبار السماء خصصت حتی صرت مسليا عمن سواء و لولا انك امرت بالصبر و نهيت عن الجزع لانفدنا عليك ماء الشئون و لكان الداء مماطلا و الکمد محالفا و قلالك و لكنه ما لا يملك رده و يستطاع دفعه

میرے ماں باپ آپؐ پر قربان اے رسولِ خداؐ آپؐ کی وفات سے نبوت، احکامِ الٰہی اور اخبار آسمانی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ جو دوسرے پیغمبروں کی وفات پر کبھی نہیں ہوا تھا[۱] (آپؐ کی خصوصیت یہ رہی تھی کہ دوسری مصیبتوں سے آپؐ نے تسلی دے دی (کیونکہ آپؐ کی مصیبت ہر مصیبت سے بزرگ تر ہے) اور دنیا سے رحلت فرمانے کی بنا پر آپ کو یہ عمومیت حاصل ہے۔ کہ آپؐ کے (ماتم) میں تمام لوگ یکساں دردمند (اور سینہ فگار) ہیں۔ اور اگر آپؐ نے شکیبائی

---

[۱] کیونکہ ہر پیغمبر کی وفات کے بعد دوسرا پیغمبر آتا تھا اور اس طرح وحی کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ آپؐ چونکہ خاتم النبین تھے۔ اس لئے یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا صہ۲۳۷

بابی انت امی - اذکرنا
عند ربک وجعلنا
من بالک -

کا حکم نہ دیا ہوتا اور نالہ و فریاد سے منع نہ فرمایا ہوتا تو یقیناً آپؑ کے فراق میں، آنکھوں کا سرچشمہ اشک (روتے روتے) ہم خشک کر دیتے۔ ہمارا درد و غم پیوستہ رہتا اور غم و حزن و اندوہ کا دائمی ہوتا۔ آپؑ کی (جدائی کی) مصیبت میں بہت کم ہے۔

لیکن موت وہ چیز ہے کہ جس کا برطرف کرنا ممکن نہیں اور جس کا دفع کرنا ناممکن ہے۔

میرے ماں باپ آپؑ پر قربان، اپنے پروردگار کے ہاں ہمیں یاد رکھیئے گا اور ہمیں اپنے دل میں رکھیئے گا۔

خطبہ

آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

يذكر فيها آلِ محمد عليهم السلام

هم عيش العلم وموت الجهل يخبركم حلمهم عن علمهم وظاهرهم عن باطنهم وصمتهم عن حكم منطقهم لا يخالفون الحق ولا يختلفون فيه وهم دعائم الاسلام وولائج الاعتصام بهم عاد الحق في نصابه وانزاح الباطل عن مقامه وانقطع لسانه عن منبته عقلوا الدين عقل وعاية ورعاية لا عقل سماع ورواية فان رواة العلم كثير ورعاته قليل

اس خطبے میں آلِ محمد صلعم کا ذکر فرمایا ہے۔

یہ آلِ محمدؐ، علم کی زندگی اور جہل کی موت ہیں۔ ان کی بُردباری، دانائی کی اور ان کا ظاہر باطن اور ان کی خاموشی راستی ودرستی کی خبر دے گی۔ ان کی گفتار حق کی مخالفت نہیں کرتی۔ نہ وہ اس میں اختلاف برپا کرتے ہیں۔ یہ اسلام کے ستون اور اس کی پناہ گاہیں ہیں۔ انہی کے وسیلہ سے حق اپنے اصل مقام میں واپس ہوا اور باطل ونادرستی اپنی جگہ سے نیست ونابود ہو گئی، حق کے آشکار ہونے کے بعد اس کی زبان کٹ گئی۔ ان آلِ محمدؐ نے دین کو پہچانا اور ان کا پہچاننا دانائی، علم، اور عمل پر مبنی تھا۔ نہ کہ سننے اور روایت پر کیوں کہ علم (دین) کے راوی بہت ہیں اور اس پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔

مستشرقین کے اسالیب تنقید

مستشرقین فرنگ نے اسلام اور اسلام کی تاریخ کے بارے میں جو خامہ فرسائی کی ہے۔ اسے شاید نمود فریبی کے باعث، وہ تنقید تاریخ کا نام دیتے ہیں۔ لیکن غور کیجئے! تو ان کی "تاریخ اور ان کی "تنقید مجموعہ ہے نافہمی کج بختی اور حقیقت ناشناسی کا ان کے افکار و آرا "تاریخ اور واقعات و حقائق کے تابع نہیں ہوتے۔ وہ دھاندلی کے ساتھ کوشش یہ کرتے ہیں کہ تاریخ اور واقعات و حقائق ان کے افکار و آرا کی غلامی قبول کرلیں۔ یورپ کے لوگ ویسے ہی، اسلام، داعی اسلام تاریخ اسلام اور اکابر و مشاہیر اسلام سے کون سا حسن تمنا رکھتے ہیں۔

مستشرقین نے نام نہاد "تحقیق" کا جو طومار پیش کیا ہے۔ اس کے مطالعے کے بعد تو اور زیادہ وہ اسلام اور تاریخ اسلام سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اسلام اور تاریخ اسلام سے متعلق" اس کا مطالعہ اتنا محدود ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کا تاریخی علم "یورپ ہی سے مستعار لیا گیا ہے۔ وہ یورپ کے دانش وروں محققوں اور مورخوں کے طومار کذب و دروغ کو حقیقت اور واقعہ یقین کرلیتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ بھی اپنی تاریخ سے اتنا ہی بدگمان اور بیزار نظر آتا ہے۔ جیسے کوئی غیر قوم کا فرد۔

اباطیل و مجاہیل

گذشتہ اوراق میں ہم ان نام نہاد مستشرقین کی جہالت، دھاندلی اور کذب و دروغ کے نمونے پیش کر چکے ہیں۔ اور ثابت کر چکے ہیں کہ یہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید کہتے ہیں۔ اور جو لوگ اصل حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ وہ ان کے اباطیل اور مجاہیل پر اعتبار بھی کر لیتے ہیں۔

اب اس باب میں خاص طور پر مستشرقین کے اباطیل اور مجاہیل پر بہ اختصار لیکن دلائل کے ساتھ بحث و گفتگو کریں گے۔ تاکہ دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی الگ ہو سکے اور حقیقت پسند لوگ جان لیں۔ کہ یہ مستشرقین کس طرح رائی کا پہاڑ بناتے ہیں۔ اور کیونکر پہاڑ کو رائی ثابت کر دکھاتے ہیں۔

لامنس کے ایرادات

فرنچ مستشرق لامنس کے ایرادات اور اباطیل کا اس کتاب میں متعدد مواقع پر ذکر آیا ہے۔ قارئین نے اندازہ کر لیا ہوگا۔ کہ یہ حضرات اسلام کے مشاہیر اور اکابر کے بارے میں، کس درجہ خبث نفس "جھوٹ اور فریب سے کام لینے میں ماہر ہیں۔ ان حضرات نے جو واقعات پیش کئے ہیں۔ اور ان میں جس طرح رنگ آمیزی کی ہے" واقعات پر جو حاشیہ چڑھایا ہے۔ اور اس میں جس صفائی سے جھوٹ بولا ہے۔ اپنے پیش کردہ واقعات و حوالہ جات سے جو نتائج اخذ کئے ہیں۔ اور اخذ شدہ نتائج میں جس بے تکلفی سے کام لیا ہے نیز تاریخ اسلام کے واقعات و حوادث اور اسلام کی سربرآوردہ شخصیتوں پر جس طرح تنقید و نکتہ چینی کی ہے اور اس سلسلے میں جس بے راہ روی کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی جگہ پر خود ایک دلچسپ چیز ہے۔ ان کے پیش کردہ واقعات اور ان واقعات کے نکالے ہوئے "نتائج" کا بڑا حصہ تحقیق و تردید اور تعدیل و تحریر کا محتاج ہے۔ لیکن اس طرف غور کرنے کی ضرورت و فرصت کسے؟

مستشرقین کی عام روش

لامنس کے علاوہ یورپ کے دوسرے مستشرقین کے نتائج تحقیق اور انکا ریدیع کا مطالعہ کیجئے، تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ کہ اُدے کا اُدا بگڑا ہوا ہے۔ جس نے بھی اسلام اور تاریخ اسلام کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ وہ اپنے ذاتی اور موروثی تعصبات سے اس درجہ متاثر ہے۔ کہ غیر جانبداری کے ساتھ نہ واقعات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ نہ ان کا تجزیہ کر سکتا ہے نہ انہیں تحقیقاتی کسوٹی پر کس کر صحیح نتیجے تک پہنچ سکتا ہے۔ حالانکہ تاریخ اور تحقیق کا اولین

تقاضا یہ ہے۔ کہ انسان جب اس کوچے میں قدم رکھے تو اپنے ذاتی اور موروثی تعصبات کو ترک کرکے الگ رکھ دے یہ بھول جائے۔ کہ اس کی ذاتی رائے اس باب میں کیا ہے؟ اور وہ اپنے ماحول سے اس سلسلے میں کتنا مجبور رہے؟ لیکن تاریخ و تحقیق کا یہ اوّلین تقاضا مستشرقین کی نگاہ میں، شاید اتنا بڑا جرم ہے۔ کہ اس کا ارتکاب کسی حالت میں بھی ان سے نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی محفل میں داستان سرائی اور افسانہ طرازی کا نام تحقیق پڑ گیا ہے۔

مستشرقین کی کج رائیاں

سیرت یا دوسرے عنوانات مثلاً رجال عرب اور ابطال اسلام پر جو فرسائیاں مستشرقین نے کی ہیں انہیں پیش نظر رکھ کر ایک مؤرخ دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے اغراض و مقاصد اور افکار و اہوا کے مطابق۔ کچھ غیر واقعی تصویریں کھینچی ہیں۔ جن کی کوئی چیز بھی اپنی جگہ "صحیح اور درست نہیں ہے۔ ایک عرب جب رجال عرب اور ابطال اسلام کے بارے میں ان کی کتابیں پڑھتا ہے اور ان کے افکار و آرا کا مطالعہ کرتا ہے۔ تو اُسے اپنے اجداد و ابطال کا پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ اکابر اسلام کی شخصیت اور عادات و خصائل کو اس رنگ میں تاریخی بنا کر پیش کرتے ہیں۔ جسے دراصل تاریخ سے کوئی تعلق ہوتا۔ اس طرح یہ لوگ ارادۃً عوام کو گمراہ کرنے اور صورت واقعہ کو مسخ کرنے کی دلیری کے ساتھ سعی کرتے ہیں۔

اسلامی تاریخ اور مستشرقین

اسلامی تاریخ کی قدیم ترین اور مستند ترین کتابیں ابن ہشام اور ابن سعد ہیں۔ لیکن مستشرقین نے اپنی کتابوں میں جو نقشے بنائے ہیں اور جو تصویریں کھینچی ہیں۔ ان کے رنگ ان قدیم اور مستند کتابوں سے نہیں، دوسری جگہوں سے لیے گئے ہیں۔ ابن ہشام اور سعد میں جو واقعات و معلومات ملتے ہیں۔ یہ مستشرقین ان کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے۔ ان پر نگاہ غلط انداز بھی نہیں ڈالتے۔ ان سے استفادے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتے۔ ان اخبار و اوراد کو ذرا

بھی لائق تحسین نہیں قرار دادیتے۔ بلکہ جو معلومات و واقعات پیش کرتے ہیں۔ وہ یکسر ان سے مخالف اور متناقض ہوتے ہیں۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ کسی موضوع کے صحیح اور اصلی ماخذ کو چھوڑ کر ادھر ادھر کی کتابوں سے اپنے مزعومات و خیالات کا تانا بانا تیار کیا جائے۔ اور اسے تحقیق و تاریخ کا نادر نمونہ بنا کر، اور لاعلم لوگوں کے سامنے پیش کر کے خراجِ تحسین حاصل کیا جائے۔ ابن ہشام اور ابن سعد جیسی قدیم اور مستند کتابوں کو چھوڑ کر، بلکہ ان کے اخبار اور واقعات کی بغیر کسی دلیل اور برہان کے مخالفت کر کے، یہ مستشرقین کوئی خدمت نہیں کرتے۔ ہاں دعایت (پروپیگنڈہ) کا فریضہ ضرور انجام دیتے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا "کہ اس طرح یہ حضرات تاریخ صحیح اور تنقید صحیح کے ساتھ تمسخر اور استہزا کرتے ہیں۔

اب ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں چند مثالیں پیش کر کے، یہ واضح کریں گے کہ مستشرقین اپنی اس غلط روی کے باعث خود کس درجہ باہم مختلف الفکر اور مختلف الآرا ہیں۔ بحث و نظر میں کس کس طرح وہ التباس و فریب کا ارتکاب کرتے ہیں؟ اور ان کے اسالیب تنقید میں کس درجہ اضطراب و اختلال پایا جاتا ہے؟ اور یہ مرض اتنا عام ہے کہ کسی مستشرق کو اس سے مستثنیٰ کرنا مشکل ہے۔

چند نمونے

مثلاً اس سوال کو لیجئے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق کیا تھا؟ اور اپنے ابنائے وطن پر آپ کی اثر انگیزی کا اصل راز کیا تھا؟——

اب دیکھئے! مستشرقین نے اس سوال کے جواب میں کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ اور کیسی کیسی عجیب اور طرفہ باتیں ارشاد کی ہیں؟

مستشرق دوزی کہتا ہے:۔

"شاید رسول اللہ ﷺ،، —————— جیسا کہ وہ خود اپنے آپ کو اسی لقب سے ملقب کرتے تھے —— اپنے ابناءِ وطن کے مقابلے میں اعلیٰ تر نہ تھے۔ بلکہ یہ بات ثابت

ہے۔ وہ ان کے برابر بھی نہیں تھے۔ وہ ایک خیالی آدمی تھے اور عرب قوم کا جہاں تک تعلق ہے۔ بہت کم افراد اس طرح کے تھے، محمدؐ پست قامت تھے۔ حالانکہ عرب عام طور پر کشیدہ قامت ہیں[1] اب میول کو دیکھئے! یہ حضرات کیا فرماتے ہیں؟

محمدؐ سوداوی مزاج کے تھے۔ خلوت گزینی کی طرف بہت زیادہ مائل تھے۔ ہر وقت خاموش رہا کرتے تھے[2]

لیکن لامنس اس خیال کی تردید کرتا ہے۔ اس کے نزدیک آنحضرتؐ راہبی کو سخت ناپسند کرتے تھے[3]

سوال پیدا ہوتا ہے۔ پھر محمدؐ کی بعثت اور رسالت کے عوامل کیا ہیں؟

جرمن مستشرق نولڈیک کے نزدیک یہ عوامل مرگی کے دورے ہیں۔ لیکن۔ ایک اور بہت بڑا مستشرق اس سبب کو یہ کہتے ہوئے رد کرتا ہے۔ کہ

محمدؐ مرگی کے مریض نہیں تھے۔ کیونکہ مرگی زدہ لوگوں کا حافظہ، بالکل جواب دے جاتا ہے اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے۔ کہ محمدؐ بہت زیادہ قوی الحافظہ تھے۔ چنانچہ وحی کا ایک

---

[1] مسلمو الاندلس جلد ۱ صفحہ ۱۷

[2] مسلمو الاندلس (ڈوزی)

[3] لامنس کیا محمدؐ سچے تھے؟ (اہل کا نے محمدؐ صادقاً؟)

ایک حرف انہیں یاد تھا[1]

ایک دوسرے مستشرق صاحب پروفیسر اسپرنگر سب سے الگ جاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ" آنحضرت صلعم (نعوذ باللہ) ہسٹریا کے مریض تھے[2]

لیکن پروفسر مستوک اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ بات غلط ہے" واقعہ یہ ہے کہ ہسٹریا کے مریضوں میں اور محمد صلعم میں کوئی علامت بھی مشترک نہیں ہے[3]

غرض اس نقطۂ بحث پر مستشرقین آپس میں، مختلف الرائے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہو گا۔ کہ ان میں اختلافِ عظیم ہے۔

مستشرقین کا باہمی اختلاف

اب ذرا یہ دیکھئے! کہ آنحضرت صلعم کے مرض الموت کے بارے میں ان نام نہاد مستشرقین نے کیسی کیسی گل افشانیاں کی ہیں۔ کوئی ڈاکٹر کہتا ہے۔ آپ کی وفات بخار کے مرض میں ہوئی۔ یہ کسی ڈاکٹر کا خیال ہے۔ مرض الموت التہاب ردمی تھا[4]

ایک دوسرے مستشرق کی تحقیق یہ ہے۔ کہ آپ صلعم کی وفات اس زہر سے ہوئی، جو ایک یہودی عورت نے غذا

---

[1] مباحث شرقیہ جلد ۱ صفحہ ۱ — ۵

[2] حیات محمد دکملہ جلد صفحہ ۲۰۷

[3] مجلد تاریخ الادیان ۳۰۹ صفحہ ۵۷

[4] تاریخ العرب جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ ۰ (ربیع ع) الفصل الخاص محمد جلد ۳ صفحہ ۵۰۴ تا ۱۳ام

میں آپ کو دیا تھا[1]

ان چند نمونوں سے آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا۔ کہ اسلام" داعی" اسلام اور اکابر اسلام کے بارے میں مستشرقین یورپ کس درجہ اضطراب خیال اور انتشار فکر میں مبتلا ہیں؟ ان کی بحث کتنی بودی ہوتی ہے؟ ان کی تحقیق کتنی گمراہ کن ہوتی ہے؟ ان کے نتائج تحقیقات کس درجہ اعتدال و توازن سے محروم ہوتے ہیں؟ اور ان کے افکار و آرا کس درجہ مسموم اور جذبۂ تحقیق سے تہی ہوتے ہیں؟

لامنس کی یکتائی لیکن لامنس کا طرز تحقیق اپنی برادری میں سب سے جدا ہے۔" تاریخ اسلام کے سلسلہ میں اس نے بحث و تحقیق کا جو اسلوب اختیار کیا ہے:" اس کی غرابت اپنی مثال آپ ہے۔ وہ آنحضرتؐ کی بلندی مرتبت تسلیم کرتا ہے۔ لیکن آپؐ کے" ظاہر و باطن کے بارے میں اپنے قصور فہم کا اعتراف بھی کرتا ہے[2] اور ساتھ ہی ساتھ چیخ اٹھتا ہے۔ کہ قرآن کے نمودار ہوتے ہی، انجیل کی تاثیر جاتی رہی، جس نے اہل بادیۂ عرب کے دل میں جگہ کر لی تھی[3]

لامنس کی یہ فریاد قابل رحم ضرور ہے۔ مگر حقیقت نفس الامری سے بہت دور ہے۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ بادیۂ عرب میں انجیل نے کبھی کوئی قابل ذکر اثر نہیں پیدا کیا۔ ہاں یہودیت یہ دعوے ضرور کر سکتی ہے۔ نصرانیت کے مقابلے میں یہودیت کی جڑیں عرب میں زیادہ مضبوط اور گہری تھیں۔ کسی تاریخی دلیل یا کتاب سے یہ بات ثابت نہیں کی جا سکتی کہ بلاد عربیہ میں نصرانیت کو کبھی فروغ حاصل ہوا ہو۔ ہاں اطراف عرب میں ضرور کہیں

---

[1] علامات محمدؐ صفحہ ۱۷۱

[2] لامنس مہد الاسلام

[3] " " ۱۹۵

کہیں نصرانیت موجود تھی۔ انہیں اطراف میں جو ملوک غسّان یا رومی شہنشاہیت کی سرحد پر واقع تھے

لامنس کی رنجوری کا سبب

لامنس کو اسلام کی اشاعت اور وسعت کا غم تو ہے۔ لیکن وہ اس صدمے سے بھی بہت رنجور ہے۔ "کہ اسلام میں ارتداد کا کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا[1]۔" ان "عوارض" نے لامنس کو بتلائے آلام کر دیا ہے۔ اور اتنا زیادہ چراغ پا کر دیا ہے۔ کہ اس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں رہا۔ کہ وہ اپنی بحث میں مخلص، اپنی نقل میں امین اور اپنی تحریر میں منصف رہ سکے۔

لامنس بڑے دعوے سے کہتا ہے۔ کہ سیرۃ کا سارا لٹریچر از اوّل تا آخر مجموعہ خداع و فریب ہے۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے جس لٹریچر کو وہ مجموعہ خداع و فریب قرار دیتا ہے۔ اسے اپنی تحقیق و تدقیق کا ماخذ بناتا ہے۔ اس سے حوالے لیتا ہے۔ جو بات اس کی ہوائے نفس سے مطابقت رکھتی ہو، اسے صحیح تسلیم کر لیتا ہے۔ جو مخالف ہوتی ہے اسے غلط قرار دے دیتا ہے۔ دیانت اور اصول کا تقاضہ تو یہ تھا۔ کہ لامنس سیرۃ کے سارے لٹریچر کو ہاتھ بھی نہ لگاتا۔ اور اس کے ایک حرف سے بھی فائدہ نہ اٹھاتا۔ لیکن اگر وہ ایسا کرتا، تو پھر اپنی تالیفات و تصنیفات میں جھوٹ اور گمراہی کی بنیاد کس عمارت پر کھڑی کرتا؟

حقیقت کی تکذیب

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ لامنس نے یہ طے کر لیا ہے کہ ہر حقیقت کو جھٹلائے گا۔ سچائی کی تکذیب کرے گا۔ ہر مستند اور صحیح بات کی تغلیط اور تردید کرے گا۔ مثلاً تمام مؤرخ اس

---

[1] "اسلام دنیا کا وہ پہلا مذہب ہے جس میں ارتداد کا کوئی خاص اور اجتماعی واقعہ نہیں پیش آیا!" (ملاحظہ ہو، کافرنٹ ہنری دی کاستری کی کتاب "اسلام")

امر پر متفق ہیں۔ کہ

۱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف کو پسند کرتے تھے۔

۲ رات بھر عبادت، ریاضت اور مجاہدہ کرتے رہتے تھے۔

۳ پابندی سے بلکہ تسلسل کے ساتھ روزے رکھتے تھے۔ اور اس طرح فاقہ کرکے اپنی روحانی طاقت بڑھاتے تھے۔

۴ بے انتہا امین تھے۔

۵ بڑے بڑے خطرے کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے!

لیکن لامنس ان تمام حقائق سے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ انکار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

۱ محمد (نعوذ باللہ) امین نہیں تھے۔

۲ کچھ زیادہ بہادر بھی نہیں تھے۔

۳ اعتکاف اور خلوت گزینی کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

۴ خوب کھاتے تھے اور بہت زیادہ سوتے تھے۔

تحقیق سے دشمنی

"تحقیق" کا یہ اسلوب ان پادریوں کو زیب دے سکتا ہے جو قرونِ وسطیٰ میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور علم سے بھی کورے تھے۔ اور تحقیق تاریخی سے بھی جن کی متاع نہ اخلاص تھی، نہ عدل، لیکن عہدِ جدید کا ایک مؤرخ اگر اسی علم اور اسی "تاریخ" کے بل پر میدان میں آئے، تو اسے کیا کہا جائے گا؟

اگر لامنس کے اسلوب تحقیق کی پیروی کی جائے تو نہایت آسانی کے ساتھ ہر تاریخی اور مستند واقعہ کی صحت اور صداقت سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ کوئی دل جلا ایک قدم اور آگے بڑھ کر فرانس کے تمام اکابر اور اعاظم کے وجود سے منحرف ہو سکتا ہے۔ جن میں نپولین بونا پارٹ بھی شامل ہے۔

لامنس نے اسلام اور مشاہیر اسلام پر

اسلوب فرید اور طرزِ غریب اپنی کتابوں میں جو کچھ بھی لکھا ہے۔ وہ اسی اسلوب فرید اور طرزِ غریب کا نمونہ ہے۔ تمام مؤرخین عام اس سے کہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم اسلام کے مداح ہوں یا نکتہ چیں۔ اکابر اسلام کے ثنا خواں ہوں یا نقاد، جن اسلامی شخصیتوں کے کردار و سیرت کی بلندی و نعمت کا برملا اعتراف کرنے پر واقعات و حقائق کی بنیاد پر اپنے تئیں مجبور پاتے ہیں۔ لامنس نہایت بے تکلفی اور دھاندلی کے ساتھ ان میں عیب نکالتا ہے۔ اور اپنے ذہن و دماغ کی مدد سے ایسی باتیں ان کے بارے میں گھڑتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ کہ یہ باتیں کسی صحیح العقل آدمی کی یا فاتر العقل شخص کی گھڑی ہوئی ہیں۔

یہ لامنس نہایت دریدہ دہنی کے ساتھ فاطمہؓ بنت محمدؐ کے بارے میں لکھتا ہے۔ کہ وہ اتنی بدصورت تھیں۔ کہ اصحابؓ میں سے کسی نے ان کے لئے نکاح کا پیام نہیں دیا۔ آخر آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ فاطمہؓ سے شادی کر لیں[1]

علیؓ ابن ابی طالب کے بارے میں لامنس کا خیال یہ ہے۔ کہ وہ بدشکل تھے۔ اور صاحب فکر و رائے نہیں تھے[2]

عمرؓ بن خطاب کے بارے میں لامنس کی تحقیق یہ ہے۔ کہ وہ سپاہی منش آدمی تھے۔ لیکن نہایت ادنیٰ درجے کے[3]

لامنس کا جھوٹ اکابر اسلام کے بارے میں، تو لامنس کی یہ روش ہے۔ لیکن اعدائے اسلام کا جہاں تک تعلق ہے۔ وہ لامنس کی تنقید میں پیکر

---

[1] لامنس فاطمہؓ صفحہ ۲۳، ۲۶، ۴۷

[2] " "

[3] مہد الاسلام (لامنس) صفحہ ۲۷۴

حسنات ہیں۔ ان میں ڈھونڈ کردہ بھلائیاں اور اچھائیاں پیدا کرتا ہے۔ ان کی بہادری کی جھوٹی داستانیں سناتا ہے۔ ان کے مجدد شرف کے طبغرادا فسانے سناتا ہے۔ وہ ان کی بڑائی اور بزرگی کے ایسے واقعات بناتا ہے۔ جن کا وجود کسی تاریخ میں نہیں، جن کی تائید کسی مستند مورخ کے بیان سے نہیں ہوتی۔ جو تمام تر کارگاہ ذہن کی پیداوار ہیں!

حقیقت یہ ہے۔ کہ اس اسلوب کی بدولت لامنس اس کا مستحق نہیں رہا۔ کہ اس کا شمار مورخوں، عالموں، دانشوروں اور محققوں کے گروہ میں کیا جائے۔ وہ ان لوگوں کی صف کا آدمی نظر آتا ہے۔ جو اپنے مخصوص اغراض ومقاصد کے ماتحت ہر طرح کی جھوٹی سچی باتیں زبانِ قلم پر لے آتے ہیں۔ چنانچہ خود لامنس کے وطن فرانس کے سنجیدہ اور منصف مزاج مورخوں اور محققوں نے لامنس کے اس اسلوب پر سختی سے احتساب کیا ہے اور نکتہ چینی کے فرائض ادا کئے ہیں [۱]

لامنس کی وسعتِ نظر

اس میں کوئی شبہ نہیں، اسلام سے متعلق تمام قدیم ترین لٹریچر لامنس کی نظر میں ہے ...... یقیناً اس کا حافظہ بھی بہت وسیع ہے۔ اپنی کتابوں میں اسلامی ماخذ و مصادر سے جو فائدہ وہ اٹھاتا ہے۔ وہ اس کے علم وفیر اور معرفت وسیع کے ثبوت ہیں۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے۔ کہ ان چیزوں سے وہ صحیح کام نہیں لیتا۔ غلط فائدہ اٹھاتے کی کوشش کرتا ہے۔

تمام علمائے تاریخ اس پر متفق ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کی زندگی سراپا زہد و تقشف تھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے اس حالت میں تشریف لے گئے۔ کہ کبھی شکم سیر ہو کر جو کی روٹی نہ کھائی۔ آل محمدؐ

---

[۱] محمد للکاتب الافرنسی درمنہام

پر دو دو مہینے ایسے گذر جاتے تھے۔ کہ ان کے گھر میں چولہا نہیں سلگتا تھا۔ اُن کی غذا بس کھجور اور پانی پر مشتمل ہوتی تھی۔ بھوک کی شدت کم کرنے کے لئے آنحضرتؐ اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے[1]

تدلیس و تلبیس لیکن لامنس اپنے علم اور وسیع مطالعے کے باوجود آنحضرتؐ کے زہد و تقشف کا منکر ہے۔ جن امور پر مورخین کا اجماع ہے ان کا بھی منکر ہے۔ اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرتے کرتے کہیں۔ اس کی نظر ایک واقعہ پر پڑتی ہے، جسے احمد بن حنبل نے روایت کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کی طرف سے دی ہوئی ایک دعوت کے موقع پر بھیڑ کے شانے تناول فرمائے۔[2] تو وہ جوشِ مسرت سے بے قابو ہو گیا۔ اور پکار اٹھا۔ کہ محمدؐ بہت خوش خوراک تھے!

اب ایک دوسری مثال لیجئے! کتب سیرۃ تاریخ کا اس امر پر اجماع ہے۔ کہ آنحضرتؐ اس کثرت سے عبادت فرماتے تھے۔ اور رات کا بڑا حصّہ اس طرح نماز میں صرف کر دیتے تھے۔ کہ پائے مبارک ورم کر آتے تھے۔ قرآن کریم سے بھی یہ بات ثابت ہے۔

لیکن لامنس کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے سے بھی انکار ہے۔ وہ کہتا ہے۔

محمدؐ خوب جی بھر کے سویا کرتے تھے۔ باقی رہا رات کو عبادت کرتے ہوئے، جاگنا، تو یہ تخیل انہوں نے عیسائی راہبوں سے لیا تھا۔[3]

---

[1] ابو الفداء جلد ۱ صفحہ ۱۵۳

[2] لامنس ——— فاطمہؓ صفحہ ۴۴

[3] لامنس ——— ہل کان محمدؐ صادقاً

پھر جھوٹ اسی طرح ایک اور موقعے پر اسی خیال کی تکرار کرتے ہوئے وہ کہتا ہے۔ کہ آخر عمر میں آپؐ کا جسم گداز ہو گیا تھا۔ اور رکوع و سجود میں زحمت ہوتی تھی[1]

لیکن اس دعوے کی دلیل کیا ہے؟ اس خبر کی سند کیا ہے؟ یہ واقعہ اس نے کس تاریخ سے لیا ہے؟ یہ نہیں بتاتا اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ بات بھی اس کے ایجادات و اختراعات تاریخی میں سے ہے۔

لامنس کو عرب قوم سے بھی دشمنی ہے۔ اور ان عربوں سے تو اس کا بغض انتہا کو پہنچا ہے۔ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اس دین حق کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ وہ عربوں کے ان فضائل کا اعتراف بھی نہیں کرتا، جن کی تعریف میں تمام مورخین عرب و عجم ترزبان ہیں۔ وہ کہتا ہے ——— !

لوگوں کا خیال ہے عرب ایک بہادر قوم ہے چنانچہ
فتوحات اسلامیہ کا ایک سبب یہ بھی قرار دیا جاتا ہے
لیکن مجھے اس رائے کے قبول کرنے میں تامل ہے[2]

مستشرقین کے افکار پر ایک نظر ہم نے مستشرقین کے افکار و آرا کے سلسلے میں جو مثالیں پیش کی ہیں، وہ اس حقیقت کے سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ کہ ان کا اسلوب فکر اور انداز گفتگو کیا ہے؟ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ لکھتے وقت وہ کیسے کیا ہو جاتے ہیں؟ خود بھٹکتے ہیں۔ اور دوسروں کو ارادۃً گمراہ کرتے ہیں۔ ان حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] لامنس ——— بل کان محمدؐ صادقاً

[2] مہد الاسلام (لامنس) صفحہ ۲۷۴

پر دُو دُو مہینے ایسے گذر جاتے تھے۔ کہ ان کے گھر میں چولہا نہیں سلگتا تھا۔ اُن کی غذا بس کھجور اور پانی پر مشتمل ہوتی تھی۔ بھوک کی شدت کم کرنے کے لئے آنحضرتؐ اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے[۱]

تدلیس وتلبیس لیکن لامنس اپنے علم اور وسیع مطالعے کے باوجود آنحضرتؐ کے زہد و تقشف کا منکر ہے۔ جن امور پر مورخین کا اجتماع ہے ان کا بھی منکر ہے۔ اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرتے کرتے کہیں۔ اس کی نظر ایک واقعہ پر پڑتی ہے، جسے احمد بن حنبل نے روایت کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کی طرف سے دی ہوئی ایک دعوت کے موقع پر بھیڑ کے شانے تناول فرمائے۔ تو وہ جوشِ مسرت سے بے قابو ہو گیا۔ اور پکار اٹھا۔ کہ محمدؐ بہت خوش خوراک تھے!

اب ایک دوسری مثال لیجئے! کتب سیرۃ تاریخ کا اس امر پر اجماع ہے۔ کہ آنحضرتؐ اس کثرت سے عبادت فرماتے تھے۔ اور رات کا بڑا حصّہ اس طرح نماز میں صرف کر دیتے تھے۔ کہ پائے مبارک ورم کر آتے تھے۔ قرآن کریم سے بھی یہ بات ثابت ہے۔

لیکن لامنس کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے سے بھی انکار ہے۔ وہ کہتا ہے۔

محمدؐ خوب جی بھر کے سویا کرتے تھے۔ باقی رہا رات کو عبادت کرتے ہوئے، جاگنا، تو یہ تخیل انہوں نے عیسائی راہبوں سے لیا تھا[۲]

---

[۱] ابو الفداء، جلد ۱ صفحہ ۱۵۳

[۲] لامنس ——— فاطمہؓ صفحہ ۴۴

[۳] لامنس ——— ہل کان محمدٌ صادقاً

پھر جھوٹ اسی طرح ایک اور موقعے پر اسی خیال کی تکرار کرتے ہوئے وہ کہتا ہے۔ کہ آخر عمر میں آپؐ کا جسم گداز ہو گیا تھا۔ اور رکوع و سجود میں زحمت ہوتی تھی[1]

لیکن اس دعوے کی دلیل کیا ہے؟ اس خبر کی سند کیا ہے؟ یہ واقعہ اس نے کس تاریخ سے لیا ہے؟ یہ نہیں بتاتا اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ بات بھی اس کے ایجادات و اختراعات تاریخی میں سے ہے۔

لامنس کو عرب قوم سے بھی دشمنی ہے۔ اور ان عربوں سے تو اس کا بغض انتہا کو پہنچا ہے۔ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اس دینِ حق کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ وہ عربوں کے ان فضائل کا اعتراف بھی نہیں کرتا، جن کی تعریف میں تمام مورخین عرب و عجم ترزبان ہیں۔ وہ کہتا ہے ——— !

لوگوں کا خیال ہے عرب ایک بہادر قوم ہے چنانچہ
فتوحات اسلامیہ کا ایک سبب یہ بھی قرار دیا جاتا ہے
لیکن مجھے اس رائے کے قبول کرنے میں تامل ہے[2]

مستشرقین کے افکار پر ایک نظر ہم نے مستشرقین کے افکار و آرا کے سلسلے میں جو مثالیں پیش کی ہیں، وہ اس حقیقت کے سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ کہ ان کا اسلوب فکر اور انداز گفتگو کیا ہے؟ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ لکھتے وقت وہ کیسے کیا ہو جاتے ہیں؟ خود بھٹکتے ہیں۔ اور دوسروں کو ارادۃً گمراہ کرتے ہیں۔ ان حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] لامنس ——— بل کان محمدؐ صادقاً

[2] مہد الاسلام (لامنس) صفحہ ۲۷۴

چند کو چھوڑ کر باقی سارے مستشرقین آج کے دن بھی تعصّب سے بھرپور ہیں۔ اسلامی ذہنیت کو وہ نہ سمجھتے ہیں نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس بیسویں صدی کے روشن خیال دور میں بھی ان کی ذہنیت اور خصلت وہی ہے۔ "جو عہد تاریک میں تھی۔" اس میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ وہ جب سیرت نبویؐ اور تاریخ اسلام پر قلم اٹھاتے ہیں تو صحت و استناد کا ذرا لحاظ نہیں کرتے۔ وہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ تاریخ کے نام پر افسانہ پیش کر دیتے ہیں۔

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

(اقبال)

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہرا رضی اللہ عنہا عزیز
نورِ چشم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم
آں امام اولین و آخریں
آں کہ جاں در پیکر گیتی دمید
روزگار تازہ آئیں آفرید
بانوے آں تاجدارِ ہل اتیٰ
مرتضیٰ مشکل کشا شیرِ خدا
بادشاہ کلبۂ ایوانِ او
یک حسام و یک زرہ سامانِ او
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق!
مادرِ آں کارواں سالارِ عشق!
آں یکے شمعِ شبستانِ حرم
حافظِ جمعیتِ خیر الامم!

تا نشیند آتشِ پیکار و کیں
پشت پا زد بر سرِ تاج و نگیں
داں دگر مولائے ابرارِ جہاں
قوّتِ بازوئے احرارِ جہاں
در نوائے زندگی سوز از حسینؓ
اہلِ حق حُرّیت آموز از حسینؓ
سیرت فرزند ہا از اُمہات
جوہر صدیق و صفا از اُمہات
مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ!
بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت
بایہودے چادرِ خود را فروخت
نوری و ہم آتشی فرمانبرش
گم رضایش در رضائے شوہرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گرداں و لب قرآں سرا
گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز
گوہر افشاندے بدامانِ نماز
اشکِ او بر چید جبریلِ امیں!
ہم چو شبنم ریخت بر عرشِ بریں

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست
پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفےٰ است
ورنہ گرد تربتش دیدمے!
سجدہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے

خطاب بہ مخدّراتِ اسلام

اے روایت پردۂ ناموسِ ما
تابِ تو سرمایۂ فانوسِ ما
طینتِ پاکِ تو ما را رحمت است
قوّتِ دین و اساسِ ملت است
کودکِ ما چوں لب از شیرِ تو شست
لا الٰہ آموختی او را نخست
می تراشد مہدِ تو اطوارِ ما
فکرِ ما گفتارِ ما کردارِ ما
برقِ ما کو در سحابت آرمید
بر جبل رخشید و در صحرا تپید
اے امینِ نعمتِ آئینِ حق!
در نفس ہائے تو سوزِ دینِ حق
دَورِ حاضر تر فروش و پرفن است
کاروانش نقدِ دیں را رہزن است
کور و یزداں ناشناس ادراکِ او
ناکساں زنجیریِ پیچاکِ او

چشمِ او بیباک و نا پروا ستے
پنجۂ مژگانِ او گیرا ستے
صید او آزاد خواند خویش را
کشتۂ او زندہ داند خویش را
آبِ بندِ نخلِ جمعیت توئی
حافظ سرمایۂ ملت توئی
از سرِ سود و زیاں سودا مزن!
گام جز بر جادۂ آبا مزن
ہوشیار از دستبردِ روزگار
گیر فرزندانِ خود را در کنار
ایں چمن زاداں کہ پر نکشادہ اند
ز آشیانِ خویش دور افتادہ اند
فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوۂ زہرا مبند
تا حسینے شاخِ تو بار آورد
موسمِ پیشیں بگلزار آورد

کتاب کے ماخذ اور مصادر

	کتاب	صاحبِ کتاب
۱	تاریخ الامم والملوک	طبری
۲	کامل (ابن اثیر)	ابن اثیر
۳	مروج الذہب	مسعودی
۴	الفخری	ابن طقطقی
۵	اغانی	ابوالفرج اصبہانی
۶	عقد الفرید	ابن عبداللہ
۷	یتیسیر الوصول	الیشیانی
۸	مسند حنبل	امام حنبل
۹	صحیح بخاری	امام بخاریؒ
۱۰	انساب الاشراف	بلاذری
۱۱	مقاتل الطالبین	ابوالفرج اصبہانی
۱۲	تاریخ الخمیس	
۱۳	تاریخ ابن عساکر	ابن عساکرؒ
۱۴	اسد الغابہ	ابن اثیر
۱۵	طبقات ابن سعد	"

۱۶	تاریخ الخلفاء الرشدین	المنجار
۱۷	محاضرات تاریخ الدول الاسلامیہ	خضری
۱۸	امرأۃ العربیہ	عبداللہ عفیفی
۱۹	الامامۃ والسیاستہ	ابن قتیبہ
۲۰	سیرۃ ابن ہشام	ابن ہشام
۲۱	السیرۃ الجلیہ	الحلبی
۲۲	غریب الحدیث	ابو عبیدہ
۲۳	تاریخ الیعقوبی	
۲۴	الخطط	مقریزی
۲۵	الاصابہ	
۲۶	کتاب المعارف	ابن قتیبہ
۲۷	منتخب الکنوز	
۲۸	فتوح الشام	واقدی
۲۹	الفصول المہمہ	
۳۰	منہاج السنۃ النبویہ	ابن تیمیہ
۳۱	بسیط ابن الجوزی	
۳۲	ینابیع المودۃ	
۳۳	کشف الغمہ	
۳۴	الاستیعاب	ابن عبدالبر
۳۵	سنن ابن ماجہ	
۳۶	کتاب المختصر فی اخبار البشر	ابو الفداء

۳۷	محمدؐ	محمد رضا
۳۸	الکامل	المبرّد
۳۹	حاضر العالم الاسلام	امیر شکیب ارسلان
۴۰	نہج البلاغۃ	شرح ابن ابی الحدید
۴۱	فجر الاسلام	احمد امین

مستشرقین کی کتابیں

۴۲	فاطمہؓ و نبات محمدؐ	لامنس
۴۳	ہل کان محمدؐ صادقاً	”
۴۴	مہد الاسلام	”
۴۵	تاریخ العرب	کلمان ہوار
۴۶	علامات محمدؐ	الاب یارود
۴۷	حیات محمدؐ	اسپرنگر
۴۸	مباحث شرقیہ	دوغویہ
۴۹	محمدؐ	غزمیر
۵۰	”	دومنغہام
۵۱	”	سرمیوٹر
۵۲	مسلمو الاندلس	ڈوزی
۵۳	محمدؐ بنی اسلام	پامر
۵۴	محمدؐ و انتہاء العالم	کازانوفا
۵۵	التسورات الاولی الاسلام	مارگولیتھ

۵۶	المحمدیت	مارگولیتھ
۵۷	ایام الاسلام	پرنس کیتانی
۵۸	تاریخ المسلمین	مونتہ
۵۹	الاسلام	جیلمان
۶۰	دائرۃ المعارف الاسلامیہ	برٹانیکا

" " "

وغیرہ وغیرہ

سیرت و سوانح

رسولِ رحمت :۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ترتیب مولانا غلام رسول مہر، ۸۰۰ صفحات، سائز ۶½" × ۱۰"
سیرتِ طیبہ پر مولانا آزاد کے مقالات۔ بہ ترتیب و اضافہ مطالب مولانا مہر، قیمت -/۳۰ روپے

رحمت للعالمین : قاضی سلیمان سلمان منصورپوری، ۱۰۹۲ صفحات، سائز ۶½" × ۱۰"
رسولِ اکرمؐ کی فضیلت و عظمت، اہم مسائل پر تبصرہ۔ جلد اوّل -/۹، جلد دوم -/۱۲، جلد سوم -/۱۴

سیرت النبیؐ (کامل)، ابنِ ہشام۔ ترجمہ مولانا عبدالجلیل صدیقی، ۱۶۷۵ صفحات، سائز ۶½" × ۱۰"
سیرت پر ایک مستند تصنیف۔ سیرت پر تمام کتب اس عظیم کتاب کی ماخذ ہیں۔ قیمت -/۹۰

الفاروق : علامہ شبلی نعمانی۔ ۶۰۸ صفحات۔ سائز ۵" × ۷½"
حضرت فاروقِ اعظمؓ کی عظیم شخصیت کے مستند حالات۔ ان کے نظامِ حکومت کے واضح احوال -/۱۵

غوث الاعظمؒ : امان اللہ خاں سرحدی، ۲۵۰ صفحات۔ سائز ۵½" × ۹"
حضرت غوث الاعظم کے مفصل حالات، ان کی تعلیمات اور اقوالِ زریں کا مرقع -/۷.۵۰

فلسفیانِ اسلام : غلام جیلانی برقؔ، ۳۵۰ صفحات۔ سائز ۵½ × ۹"
اسلام کے فلسفیوں پر ایک بسیط و جامع کتاب مع حوالہ جات کے۔ قیمت -/۱۲

فرماں روایانِ اسلام : غلام جیلانی برقؔ، ۴۰۰ صفحات، سائز ۵½ × ۹"
اسلامی سلطنتوں کے ۱۱۹ سلسلوں کی ایک جامع و مانع تاریخ۔ قیمت -/۱۲

حیاتِ امیر خسرو :۔ تقی محمد خاں خورجوری، ۲۵۰ صفحات۔ سائز ۵½" × ۷"
پاک و ہند کی برگزیدہ شخصیت کے ادبی، علمی، فنی، ظاہری و باطنی کمالات کے حالات -/۶

غازیانِ تہذیب :۔ تالیف یوزف ہائیم، ترجمہ ہاشمی فریدآبادی، ۸۰۹ صفحات۔ سائز ۵" × ۷½"
تہذیب کے سورماؤں اور عظیم غازیانِ وطن کی لافانی اور انمول داستانیں، قیمت -/۱۵

امام ابوحنیفہؒ: ابوزہرہ (مصری) ترجمہ رئیس احمد جعفری، ۷۲۰ صفحات۔ سائز ۶ ۱/۲" × ۱۰"
امام ابوحنیفہؒ کے فقہی سرمایہ اور ان کے اصولوں پر بے لاگ تبصرہ۔ قیمت ۲۵/-

امام مالکؒ: ابوزہرہ (مصری)، ترجمہ عبیداللہ قدسی، ۴۸۶ صفحات، سائز ۶ ۱/۲" × ۱۰"
امام دارالہجرت حضرت امام مالکؒ کے آراء و افکار کے جامع و مانع حالات۔ قیمت ۲۰/-

آثار امام شافعیؒ: ابوزہرہ (مصری)، ترجمہ رئیس احمد جعفری، ۵۴۸ صفحات، سائز ۶ ۱/۲" × ۱۰"
فقہ اسلامی کے تدریجی ارتقاء اور امام شافعیؒ کے افکار و آراء۔ قیمت ۲۰/- روپے

حیاتِ امام احمد بن حنبلؒ: ابوزہرہ (مصری)، ترجمہ نائب حسین نقوی، ۵۴۴ صفحات، سائز ۶ ۱/۲" × ۱۰"
امام احمد بن حنبلؒ کے مکمل حالاتِ زندگی اور ان کی تعلیمات کا جامع مانع مجموعہ قیمت ۱۸/-

حیاتِ امام ابنِ تیمیہ: ابوزہرہ (مصری)، ترجمہ نائب حسین نقوی، ۸۲۴ صفحات، سائز ۶ ۱/۲" × ۱۰"
حضرت امام ابنِ تیمیہ کے افکار و آراء۔ ان کی ہمہ گیر شخصیت پر لازوال تصنیف قیمت ۳۰/-

حضرت امام جعفر صادق: ابوزہرہ (مصری)، ترجمہ رئیس احمد جعفری، ۵۶۸ صفحات، سائز ۶ ۱/۲" × ۱۰"
حضرت امام جعفر صادق کے افکار و آراء، ان کی تعلیمات اور ان کے عہد کی مفصل تاریخ۔ ۲۰/-

آثار امام محمد و ابو یوسفؒ: ابوزہرہ (مصری)، ترجمہ رئیس احمد جعفری، ۶۰۴ صفحات، سائز ۶ ۱/۲" × ۱۰"
امام اعظم ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید، فقہ حنفی کے امام کبیر کے مکمل حالات مع ضروری حواشی ۲۰/-

حیات امام ابن حزم: ابوزہرہ ترجمہ غلام احمد حریری، ۸۲۸ صفحات، سائز ۶ ۱/۲" × ۱۰"
حضرت امام ابن حزم کے فقہی تصورات اور ان کی شخصیت کے مستند حالات ۳۰/-

حیات امام ابنِ قیم: عبدالعظیم عبدالسلام، ترجمہ غلام احمد حریری، ۷۰۴ صفحات، سائز ۶ ۱/۲" × ۱۰"
ان کے علوم و معارف اور فقہی سرمایہ کا گراں بہا ذخیرہ، مستند حالات۔ قیمت ۲۵/-

غزالی نامہ: جمال ہمائی، ترجمہ سید رئیس احمد جعفری، ۵۰۰ صفحات، سائز ۶ ۱/۲" × ۱۰"
حضرت امام غزالیؒ کے مفصل حالات، ان کے علم و دانش اور عرفان و تصوف کا مرقع، ۱۸/-

---

تاریخ وسیاست

تاریخ فرشتہ: ملا محمد قاسم فرشتہ۔ ترجمہ عبدالحئی خواجہ ۱۸۸۴ صفحات۔ سائز ۲/۱ ۶" x ۱۰"
مسلم عہد کی عظیم تاریخی داستان، اہم دستاویز اور مشہور مقامات کی تشریح، مکمل ۲ جلدوں میں ۱۰۰/-

تاریخ اشاعتِ اسلام: شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، ۵۸۸ صفحات۔ سائز ۲/۱ ۶" x ۱۰"
عہدِ نبویؐ سے دورِ حاضر تک کی اسلامی تبلیغ و اشاعت کی مکمل و جامع تاریخ، قیمت ۲۰/-

تاریخ شام: فلپ کے حتی۔ ترجمہ: غلام رسول مہر، ۵۵۲ صفحات۔ سائز ۲/۱ ۷" x ۱۰"
عہدِ قدیم سے دورِ حاضر تک اہلِ شام کے مکمل و جامع حالات۔ ۳۰/- روپے

تاریخ لبنان: فلپ کے حتی۔ ترجمہ غلام رسول مہر، ۵۰۴ صفحات۔ سائز ۲/۱ ۶" x ۱۰"
لبنان کے قدیم واقعات، مصر، بابل، اشور، کلدان، ایران اور روم کی مفصل تاریخ ۲۵/-

انسائیکلو پیڈیا (جلد اوّل) ولیم ایل لینگر، ترجمہ غلام رسول مہر، ۶۶۴ صفحات۔ سائز ۵" x ۲/۱ ۷"
مشرقِ اعلیٰ اور مشرقِ وسطیٰ کے متعلق انیسویں صدی کی مختصر اور جامع تاریخ، ۱۵/-

انسائیکلو پیڈیا (جلد دوم) ولیم۔ ایل لینگر۔ ترجمہ غلام رسول مہر، ۵۰۸ صفحات۔ سائز ۵" x ۲/۱ ۷"
ابراہام سے لے کر نپولین بوناپارٹ کے عہد تک کے واقعات معہ ضروری حواشی، قیمت ۱۸/-

انسائیکلو پیڈیا (جلد سوم) ولیم۔ ایل لینگر۔ ترجمہ غلام رسول مہر، ۶۶۶ صفحات۔ سائز ۵" x ۲/۱ ۷"
انقلابِ فرانس سے لے کر عہدِ حاضر تک کی مکمل تاریخ معہ ضروری حواشی کے، قیمت ۲۵/-

مختصر تاریخ اسلام: مولانا غلام رسول مہر، ۴۸۰ صفحات۔ سائز ۲/۱ ۵" x ۹"
ابتدائے اسلام سے لے کر دورِ حاضر تک کے مسلمانوں کی مختصر لیکن جامع تاریخ، ۱۵/-

تاریخ تہذیب (حصہ اوّل) کرین برٹن۔ ترجمہ غلام رسول مہر، ۸۱۶ صفحات، سائز ۲/۱ ۶" x ۱۰"
ابتدائے عہدِ تاریخ سے ۱۷۸۹ء تک اقوامِ عالم کی تہذیبوں کی مکمل تاریخ، قیمت ۳۵/-